مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ

انصارالدین

جلد ۱۵ نمبر ۲ امان،شہادت ہجری شمسی ۱۳۹۷، مارچ اپریل ۲۰۱۸ء



National Peace Symposium 2018







National Tabligh Seminar 2018














Pre-Charity Walk Dinners in Various Regions









بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ

انصارالدین

جلد 15 نمبر 2 | مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ | مارچ و اپریل 2018ء

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے ان شاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: محمود علی مرزا
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی، حبیب الرّحمٰن غوری۔
مینیجر: نعیم گلزار
ڈیزائننگ: عامر احمد ملک
ترسیل: سعادت جان (انچارج)

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5PT   e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk

درس القرآن

إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ سَمِيعاً بَصِيراً۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً۔

(سورۃ النساء آیات 59-60)

ترجمہ: اللہ تمہیں یقیناً (اس بات) کا حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مستحقوں کے سپرد کرو۔ اور (یہ کہ) جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کرو۔ اللہ جس بات کی تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ یقیناً بہت اچھی ہے۔ اللہ یقیناً بہت سننے اور دیکھنے والا ہے۔ اے ایماندارو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے فرمانرواؤں کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم (حکام سے) کسی امر میں اختلاف کرو تو اگر تم اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لَوٹا دو (اور ان کے حکم کی روشنی میں معاملہ طے کرو) یہ بات بہتر اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھی ہے۔

ان آیات میں ملکی امور اور نظام حکومت کو چلانے کے معاملات میں تعلیم بیان فرمائی گئی ہے۔ اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ لوگ جب حکام کا انتخاب کریں تو اس بات کا لازمی خیال رکھیں کہ وہ صرف ان لوگوں کو منتخب کریں گے جو ہر لحاظ سے اہل ہوں گے اور ان میں نظام حکومت کو بہترین طور پر چلانے کی لازمی خصوصیات موجود ہوں گی۔ اسے ایک قومی امانت کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک شخص جو اہل ہے انتخاب میں اپنی رائے دے گا اور ہر قسم کے تعصّبات سے بالا ہو کر اس امانت کا حق ادا کرے گا۔ انتخاب کے وقت کسی قسم کی جوڑ توڑ، تعصب، نفرت، بغض اور برادری یا مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ اہلیت کی بنیاد پر چناؤ کیا جائے گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو وہ نہ صرف خدا کے سامنے جوابدہ ہوں گے کہ انہوں نے امانت کا حق ادا نہیں کیا بلکہ اس دنیا میں بھی قومی انتشار کا باعث بنیں گے۔

جب انتخاب کا حق لوگوں کے سپرد کیا گیا ہے تو اس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حکومت کرنا کسی شخص کا پیدائشی حق نہیں اور نہ ہی حکومت کسی کو وراثت کے طور پر ملنی چاہیے بلکہ حکومت عوام کی منتخب کردہ ہو اور وہ ان کے حقوق کی نگہداشت کرنے والی ہو۔ حکام بھی ایسے ہوں جو صرف حکومت ہی نہ کریں اور لوگوں سے اطاعت کی توقع رکھیں بلکہ وہ خود بھی انسانی ہمدردی کے جذبہ سے کام کرنے والے ہوں اور ان پر ہمیشہ خدا کا خوف غالب رہے کہ وہ نہ صرف عوام کے سامنے بلکہ خدا تعالیٰ کے سامنے بھی جوابدہ ہوں گے، ان کے تمام فیصلے انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ رنگ ونسل یا مذہبی تفریق ان کے فیصلوں میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔

حدیث النبی ﷺ

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جو کوئی انہیں اپنائے گا اور ان کا مظہر بننے کی کوشش کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (جامع ترمذی۔ کتاب الدعوات باب عقد التسبیح بالید)

❁ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضور ﷺ جب کوئی پسندیدہ امر ظاہر ہوتا دیکھتے تو یہ دعا کرتے تھے: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس کی عزت وجلال سے تمام نیک کام پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں''۔ اور جب کوئی ناپسندیدہ امر دیکھتے تو یہ دعا کرتے: ''ہر حال میں خدا ہی حمد وثنا کے لائق ہے''۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل الحامدین)

❁ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''حرص سے بچو۔ کیونکہ اسی برائی نے پہلوں کو برباد کیا، ان کو قطع رحمی پر آمادہ کیا اور انہوں نے رحمی رشتے کاٹ دیئے اور ان کو بخل کی ترغیب دی اور وہ بخیل بن گئے اور ان کو فسق وفجور کی راہ دکھائی اور وہ فاسق وفاجر بن گئے۔ (مسند احمد بن حنبل)

❁ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جب بندہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے مالک یوم الدین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری عظمت کا اقرار کیا اور تمام معاملات میرے سپرد کردئے۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب وجوب قراءۃ)

❁ حضرت رفاعہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا کی: ''اے اللہ! ایمان ہمیں محبوب کردے اور اسے ہمارے دلوں میں خوبصورت بنا دے اور کفر، بدعملی اور نافرمانی کی کراہت ہمارے دلوں میں پیدا کردے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے بنا''۔ (مسند احمد بن حنبل)

❁ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تمام بنی آدم گنا ہگار ہیں اور بہترین گناہگار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں''۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب التوبہ)

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ اور خوشگوار ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں مقدر ہیں۔ ایک خوشی اسے اس وقت ہوتی ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری اس وقت ہوگی جب اسے روزہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ملاقات نصیب ہوگی۔ (بخاری کتاب الصوم)

❁ حضرت بشیر بن عبدالمنذرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قرآن مجید خوش الحانی سے اور سنوار کر نہیں پڑھتا اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں''۔ (سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب یستحب الترتیل)

کلام الامام علیہ السلام

"جس طرح خداتعالیٰ کی کتابوں میں نیک انسان اور بدانسان میں فرق کیا گیا ہے اور ان کے جدا جدا مقام ٹھہرائے ہیں۔ اسی طرح خداتعالیٰ کے قانون قدرت میں ان دو انسانوں میں بھی فرق ہے جن میں سے ایک خداتعالیٰ کو چشمۂ فیض سمجھ کر بذریعہ حالی اور قالی دعاؤں کے اس سے قوت اور امداد مانگتا اور دوسرا صرف اپنی تدبیر اور قوّت پر بھروسہ کر کے دُعا کو قابل مضحکہ سمجھتا ہے۔ بلکہ خداتعالیٰ سے بے نیاز اور متکبرانہ حالت میں رہتا ہے۔ جو شخص مشکل اور مصیبت کے وقت خدا سے دُعا کرتا اور اس سے حلِ مشکلات چاہتا ہے وہ بشرطیکہ دُعا کو کمال تک پہنچاوے خداتعالیٰ سے اطمینان اور حقیقی خوشحالی پاتا ہے۔ اور اگر بالفرض وہ مطلب اس کو نہ ملے تب بھی کسی اور قسم کی تسلی اور سکینت خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو عنایت ہوتی ہے اور وہ ہرگز ہرگز نامراد نہیں رہتا۔ اور علاوہ کامیابی کے ایمانی قوت اس کی ترقی پکڑتی ہے اور یقین بڑھتا ہے۔ لیکن جو شخص دعا کے ساتھ خداتعالیٰ کی طرف مُنہ نہیں کرتا وہ ہمیشہ اندھا رہتا اور اندھا مرتا ہے۔

اور ہماری اس تقریر میں اُن نادانوں کا جواب کافی طور پر ہے جو اپنی نظر خطا کار کی وجہ سے یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ بہتیرے ایسے آدمی نظر آتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ اپنے حال اور قال سے دعا میں فنا ہوتے ہیں پھر بھی اپنے مقاصد میں نامراد رہتے اور نامراد مرتے ہیں۔ اور بمقابل ان کے ایک اور شخص ہوتا ہے کہ نہ دُعا کا قائل، نہ خدا کا قائل وہ اُن پر فتح پاتا ہے اور بڑی بڑی کامیابیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں۔ سو جیسا کہ ابھی مَیں نے اشارہ کیا ہے اصل مطلب دعا سے اطمینان اور تسلّی اور حقیقی خوشحالی کا پانا ہے۔ اور یہ ہرگز صحیح نہیں کہ ہماری حقیقی خوشحالی صرف اُسی امر میں میسّر آسکتی ہے جس کو ہم بذریعہ دُعا چاہتے ہیں بلکہ وہ خدا جو جانتا ہے کہ ہماری خوشحالی کس امر میں ہے وہ کامل دُعا کے بعد ہمیں عنایت کر دیتا ہے۔ جو شخص رُوح کی سچائی سے دُعا کرتا ہے وہ ممکن نہیں کہ حقیقی طور پر نامراد رہ سکے بلکہ وہ خوشحالی جو نہ صرف دولت سے مل سکتی ہے اور نہ حکومت سے اور نہ صحت سے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے جس پیرایہ میں چاہے وہ عنایت کر سکتا ہے ہاں وہ کامل دُعاؤں سے عنایت کی جاتی ہے۔ اگر خداتعالیٰ چاہتا ہے تو ایک مخلص صادق کو عین مصیبت کے وقت میں دُعا کے بعد وہ لذّت حاصل ہو جاتی ہے جو ایک شہنشاہ کو تختِ شاہی پر حاصل نہیں ہو سکتی۔ سو اسی کا نام حقیقی مرادیابی ہے جو آخر دُعا کرنے والوں کو ملتی ہے اور اُن کی آفات کا خاتمہ بڑی خوشحالی کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اگر اطمینان اور سچی خوشحالی حاصل نہیں ہوئی تو ہماری کامیابی بھی ہمارے لئے ایک دُکھ ہے۔ سو یہ اطمینان اور رُوح کی سچی خوشحالی تدابیر سے ہرگز نہیں ملتی بلکہ محض دُعا سے ملتی ہے۔ مگر جو لوگ خاتمہ پر نظر نہیں رکھتے وہ ایک ظاہری مُرادیابی یا نامرادی کو دیکھ کر مدارِ فیصلہ اسی کو ٹھہرا دیتے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ خاتمہ بالخیران ہی کا ہوتا ہے جو خدا سے ڈرتے اور دعا میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور وہی بذریعہ حقیقی اور مبارک خوشحالی کے سچی مرادیابی کی دولتِ عظمیٰ پاتے ہیں۔"

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 238-236)

فرمودات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

"میں انصار کو ایک انتہائی اہم اور بنیادی چیز کی طرف توجہ دلانی چاہتا ہوں اور وہ ہے نماز۔ نماز ہر مومن پر فرض ہے لیکن چالیس سال کی عمر کے بعد جبکہ یہ احساس پہلے سے بڑھ کر پیدا ہونا چاہئے کہ میری عمر کے ہر دن کے بڑھنے سے میری زندگی کے دن کم ہو رہے ہیں ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کی طرف زیادہ توجہ پیدا ہونی چاہئے کہ وقت تیزی سے آ رہا ہے جب میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہاں ہمارے ہر عمل کا حساب کتاب ہونا ہے۔ پس ایسی حالت میں ایک مومن کی، ہر اس شخص کی جس کو مرنے کے بعد کی زندگی اور یوم آخرت پر ایمان ہے، فکر ہونی چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھی حق ادا کرنے والے ہوں اور اس کے بندوں کے بھی حقوق ادا کرنے والے ہوں اور ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں جب اپنی کوشش کے مطابق یہ حقوق ادا کر رہے ہوں۔

نماز کے پڑھنے کی طرف جب بھی اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے تو اس طرف توجہ دلائی کہ نماز میں باقاعدگی بھی ہو، تمام نمازیں وقت پر ادا ہوں اور باجماعت ادا ہوں۔ نماز کے قائم کرنے کا حکم ہے اور نماز کے قائم کرنے کا مطلب ہی نماز کو وقت پر اور باجماعت ادا کرنا ہے۔ لیکن دیکھنے میں آیا ہے، انصار اللہ والے بھی اپنی رپورٹوں سے جائزہ لیتے ہوں گے اور جائزہ لینا چاہئے کہ باوجود اس کے کہ انصار کی عمر ایک پختہ اور سنجیدگی کی عمر ہے نماز باجماعت کی طرف اس طرح توجہ نہیں ہے جو ہونی چاہئے۔ پس انصار اللہ کو خاص طور پر سب سے زیادہ اس بات کی طرف توجہ دینی چاہئے کہ ان کا ہر ممبر نماز باجماعت کا عادی ہو بلکہ ہر ناصر کو خود اپنا جائزہ لینا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ وہ نماز باجماعت کے عادی ہوں۔ سوائے بیماری اور معذوری کی صورت کے نماز باجماعت ادا کرنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر قریب کوئی مسجد اور نماز سینٹر نہیں ہے تو علاقے کے کچھ لوگ کسی گھر میں جمع ہو کر نماز باجماعت پڑھ سکتے ہیں۔ اگر یہ سہولت بھی نہیں تو گھر کے افراد مل کر نماز باجماعت پڑھیں۔ اس سے بچوں کو بھی، نوجوانوں کو بھی نماز اور باجماعت نماز کی اہمیت کا احساس ہوگا۔

پس انصار اللہ حقیقی رنگ میں انصار اللہ تبھی بن سکتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے اور اس پر عمل کرنے اور کروانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت جو انسان کی پیدائش کا مقصد ہے اس پر عمل نہیں کر رہے اور جن کے نگران بنائے گئے ہیں ان سے عمل نہیں کروا رہے یا عمل کروانے کی کوشش نہیں کر رہے، اپنے نمونے پیش نہیں کر رہے تو صرف نام کے انصار اللہ ہیں۔

(خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ 29 ستمبر 2017ء سے انتخاب)

ظہور مسیح موعود وامام مہدی

(عبدالصمد خان ۔ گلاسگو)

23 مارچ کا دن جماعت کی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔ 1889ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آج کے دن بیعت لینے کا آغاز فرمایا اور جماعت کا قیام عمل میں آیا۔

وہ دَور اسلام کے لئے فکروں اور رنجوں کا زمانہ تھا جس میں احمدیت کا نور طلوع ہوا۔ اسلام کے احیائے نو کی عظیم تحریک منصۂ شہود پر ابھری۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان پیشگوئی وَآخَرِینَ مِنْھُمْ لَمَّایَلْحَقُوابِھِم کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام کو یہ عظیم الشان ذمہ داری سونپی گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بے پناہ خداداد عشق تھا۔ چنانچہ نظم ہو یا نثر۔ اُردو، عربی اور فارسی میں آپؑ کا کلام اس عشق سے سرشار نظر آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے حقیقی مقام کا ادراک آپؑ کو خوب تھا۔ مسجد سے ایسی محبت تھی کہ آپ کے والد سے پوچھا جاتا کہ آپ کہاں ہوں گے تو وہ جواب دیتے مسجد میں جا کر دیکھو کسی صف میں لپٹا پڑا ہوگا۔ عبادت الٰہی کے ذوق کے علاوہ بنی نوع انسان کی گہری ہمدردی بھی بچپن سے آپ کے کردار کا نمایاں حصہ تھی۔ آپ اپنے کھانے میں غرباء اور مساکین کو شریک کر لیتے یہاں تک کہ بعض ایام میں سارا کھانا غرباء کو کھلا کر خود دو پیسے کے چنے خرید کر اپنی بھوک مٹا لیتے۔ آپ کی بعد کی زندگی میں یہی دو کردار نمایاں ہو کر ابھرے جو آپ کی زندگی کے عظیم الشان مقاصد بن کر سامنے آئے۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا کہ میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں اوّل خدا کی توحید کا بیان کرو۔ دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو۔ وہ نمونہ دکھلاؤ کہ غیروں کے لئے کرامت ہو یہی دلیل تھی جو صحابہ رضوان اللہ علیھم میں پیدا ہوئی۔

آغازِ جوانی میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آنحضور ﷺ کے لئے تڑپ اور اسلام کے لئے غیرت ''براہین احمدیہ'' کی صورت میں سامنے آئی۔ ماموریت سے قبل منظر عام پر آنے والی یہ معرکۃ الآراء تصنیف عالم اسلام کے لئے یہ پیغام مسرت لائی کہ اسلام میں ایک ایسا بطل جلیل ہے جو اس کے دفاع کے لئے سرگرم عمل ہے۔ تب ساری قوم کی نظریں آپ علیہ السلام کی طرف اُٹھنے لگیں اور ان کے دلوں میں اُمید کی شمعیں روشن ہو گئیں۔ فرشتہ صفت روحیں پکارنے لگیں:

ہم غریبوں کی ہے تمہیں پہ نظر تم مسیحا بنو خدا کے لئے

مارچ 1882ء میں آپؑ کو 70 الفاظ پر مبنی ماموریت کا پہلا الہام ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسیح اور مہدی کے منصب پر فائز کرتے ہوئے فرمایا:

''اے احمد خدا نے تجھ میں برکت رکھ دی ہے اور جو کچھ تو نے چلایا وہ تو نے نہیں خدا نے چلایا۔ رحمان خدا نے تجھے قرآن سکھایا تا اُن لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادا کو انذار نہیں کیا گیا اور تا خدا کی حُجت پوری ہو اور مجرموں کی راہ کھل جاوے۔ کہہ دے کہ میں خدا کی طرف سے مامور اور سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔'' (براہین احمدیہ حصہ سوم روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 265 تا 268)

یہ خدائی کلمات دراصل جماعت احمدیہ کے قیام کی بنیاد تھے۔ اس عبارت نے آپؑ کے منصب کی نشاندہی کر دی تھی لیکن ابھی بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ یہ حکم 1888ء میں اس طرح ہوا کہ الہاماً فرمایا گیا:

''جب تُو نے اس خدمت کے لئے قصد کر لیا تو خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کر اور یہ کشتی ہماری آنکھوں کے روبرو اور ہماری وحی سے بنا۔ جو لوگ تجھ سے بیعت کریں گے، وہ تجھ سے نہیں بلکہ خدا سے بیعت کریں گے۔ خدا کا ہاتھ ہوگا جو اُن کے ہاتھوں پر ہوگا۔'' (ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 565)

چنانچہ 12 جنوری 1889ء کو آپؑ نے دس شرائط بیعت پر مشتمل اشتہار شائع فرمایا جو جماعت احمدیہ میں داخل ہونے کے لئے بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ اور 23 مارچ 1889ء کا عہد ساز دن احیاءِ اسلام اور اس کی لازوال اور بے مثال شریعت کے از سر نو قیام کا دن تھا۔ اس دن 40 اصحاب نے دین کو دنیا پر مقدّم رکھتے ہوئے اسلام کی سربلندی اور غلبہ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عہد کیا تھا۔ مردوں میں حضرت حکیم مولانا نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عورتوں میں آپؑ کی اہلیہ حضرت صغریٰ بیگم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب سے پہلے بیعت کی سعادت پائی۔ اس دن جو بیج خدا کے ہاتھ سے بویا گیا وہ آج تناور درخت بن چکا ہے اور اس کی شاخیں ساری دنیا میں پھیل چکی ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے جو مجھے چھوڑتا ہے۔ کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔'' (کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 61)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے نصرت الٰہی کے طفیل طاغوتی اور دجّالی طاقتوں کو للکارا، دلائل ساطعہ اور براہین قاطعہ اور انفاخ قدسیہ سے دشمنان اسلام کے ہر حربہ کو ناکام کیا۔ لیکن اس کے لئے آپؑ نے کسی تیر یا تلوار سے کام نہیں لیا بلکہ آپؑ کے سحر طراز قلم نے یہ عظیم الشان معرکہ سر کیا۔

صفِ دشمن کو کیا باحُجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

''براہین احمدیہ'' کی اشاعت سے لے کر ''پیغام صلح'' کی تالیف تک یہ جہاد بالقلم جاری رہا۔ آپؑ کی 85 سے زائد کتب ورسائل اور مضامین میں روحانی، دینی، مذہبی، تاریخی، سائنسی، طبّی اور کائناتی علوم کے بحر ذخار ہیں۔ ایک ایک لفظ دُرّ نایاب اور ایک ایک جملہ آبِ کوثر سے دُھلا ہوا۔ تبھی خدائے بزرگ برتر نے آپ کو ''سلطان القلم'' کے لقب سے پکارا۔ آپؑ فرماتے ہیں:

مَیں تو آیا اس جہاں میں ابن مریم کی طرح
مَیں نہیں مامور از بہر جہاد و کار زار
ابن مریم ہوں مگر اُترا نہیں میں چرخ سے
نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کار زار
مُلک سے مجھ کو نہیں مطلب، نہ جنگوں سے ہے کام
کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا، نے دیار

باقی صفحہ 11 پر جاری ہے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں چند ایمان افروز روایات

(بیان فرمودہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ)

(مرتّبہ: ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز)

حضرت مرزا شریف احمد صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس مبشر اولاد میں سے ایک درخشندہ گوہر تھے جو اللہ تعالیٰ کی خاص بشارتوں کے تحت حضرت اماں جان نوّر اللہ مرقدہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئی۔ حضورؑ نے اپنی کتاب "انوارالاسلام" مطبوعہ 1894ء میں خدائی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے رقم فرمایا:

"اللہ جل شانہٗ نے بشارت دی اور فرمایا: انّا نبشّرک بغلامٍ یعنی ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔" (روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 40)

چنانچہ جب یہ بشارت اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوری ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی کتاب "ضیاء الحق" میں تحریر فرمایا:

"ہمیں خدا تعالیٰ نے بشارت دی تھی کہ تجھے ایک لڑکا دیا جائے گا جیسا کہ ہم اسی رسالہ "انوارالاسلام" میں اس بشارت کو شائع بھی کر چکے ہیں۔ سو الحمد للہ والمنت کہ اس الہام کے مطابق 27/ ذیقعدہ 1312ھ میں مطابق 24/مئی 1895ء میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شریف احمد رکھا گیا۔"

(روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 323)

آپؓ کا نکاح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہی حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ آف ملیر کوٹلہ کی صاحبزادی محترمہ بوزینب بیگم صاحبہؓ کے ساتھ ہو گیا تھا۔ ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں جن کے نام یہ ہیں: محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب، محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب، محترم صاحبزادہ کرنل مرزا داؤد احمد صاحب۔ سیّدہ امۃ الباری صاحبہ بیگم مکرم نوابزادہ عباس احمد خان صاحب اور سیدہ امۃ الوحید صاحبہ بیگم مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی وفات 26/دسمبر 1961ء کو ہوئی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جنازہ پڑھایا اور تدفین کے بعد دعا کروائی۔

آپؓ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کئی الہامات بھی ہوئے۔ مثلاً:

1۔ "شریف احمد کو خواب میں دیکھا کہ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے۔ اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں۔ ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "وہ بادشاہ آیا"۔ دوسرے نے کہا کہ ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے۔

فرمایا: قاضی حَکَم کو بھی کہتے ہیں۔ قاضی وہ ہے جو تائید حق کرے اور باطل کو ردّ کرے"۔ (بدر 10/جنوری 1907ء صفحہ 3)

2۔ فرمایا: "چند سال ہوئے ایک دفعہ ہم نے عالمِ کشف میں اسی لڑکے شریف احمد کے متعلق کہا تھا کہ "اب تُو بیٹھ اور ہم چلتے ہیں"۔ (بدر 10/جنوری 1907ء صفحہ 3)

3۔ 28/مئی 1907ء: "شریف احمد کی نسبت اُس کی بیماری کی حالت میں الہامات ہوئے: (1) عَمَّرَہُ اللّٰہُ عَلٰی خِلَافِ التَّوَقُّعِ (2) اَمَّرَہُ اللّٰہُ عَلٰی خِلَافِ التَّوَقُّعِ (3) اَءَ نْتِ لَاتَعْرِفِیْنَ الْقَدِیْرَ (4) مُرَادُکَ حَاصِلٌ (5) اَللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّ ھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔"

حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی بیان فرمودہ چند روایات پیش ہیں:

معاشرتی اور عائلی زندگی کو بہتر اور خوشگوار بنانے کا یہ ایک نہایت ہی قیمتی اور سنہری اصل ہے جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں جہاں تک میرا مشاہدہ ہے۔ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو اپنی پوری جامعیت اور حقیقت کے ساتھ پورا ہوتے دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے گھر والوں سے اپنے بچوں سے اپنے ملازموں سے مسلمانوں سے، دوستوں، عام ملنے جلنے والوں سے غرضیکہ ہر ایک سے نہایت ہی محبت اور شفقت اور ہمدردی کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ لفظ "اہل" کے وسیع معنوں کے ساتھ اپنے اہل کے لئے آپ کا وجود سراسر خیر ہی خیر تھا۔ آپ حضرت اماں جان کی طبیعت کا اس قدر خیال رکھا کرتے تھے کہ ہمارے موجودہ زمانے میں مَیں نے کسی خاوند کو ایسا خیال رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور پھر اسی طرح خود حضرت اماں جان کا یہ حال تھا کہ وہ بھی ہر لحظہ اور ہر لمحہ حضور کے آرام اور آسائش کا پورا پورا خیال رکھتیں۔ چنانچہ اکثر حضور کے لئے کھانا خود تیار کیا کرتی تھیں جب کہ گھر میں کھانا پکانے کے لئے ایک اَور خادمہ اصغری کی والدہ بھی تھیں اور اسی طرح میاں کریم بخش بھی تھے جو کھانا پکایا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کُھمبیاں بہت پسند تھیں مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ کُھمبیوں کا موسم ابھی نہیں تھا تو حضرت امّ المومنین نے مصنوعی کُھمبیاں اس قدر نفاست سے تیار کر کے حضور کو پیش کیں کہ حضور نے انہیں بڑے مزے سے کھایا اور اصلی اور مصنوعی میں فرق تک نہ محسوس کیا۔ خود میں نے بھی وہ پکی ہوئی کھمبیاں کھائیں تھیں۔ بالکل اصلی کی مانند لذیذ اور مزیدار تھیں۔ مرغ کے گوشت سے حضرت اماں جان نے تیار کی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت اماں جان قادیان سے باہر کسی سفر پر گئی ہوئی تھیں۔ جب آپ واپس آئیں تو بٹالہ ریلوے سٹیشن تک حضور خود ان کے استقبال کیلئے گئے تھے۔

کھانے میں جہاں تک حضور کی پسند کا تعلق ہے حضور پرندوں کا گوشت بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔ خصوصاً بٹیر، تیتر اور ممولہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ درد گردہ کے لئے بہت مفید ہے۔ بھائی عبدالرحیم صاحب مرحوم اکثر غلیل سے شکار کر کے حضور کے لئے لایا کرتے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھی مولوی سید سرور شاہ صاحب بھی، حکیم عبدالعزیز خان صاحب بھی ہوائی بندوق سے کبھی کبھی شکار کر کے

لایا کرتے تھے۔ اور حضور کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

شکار ہی کے ضمن میں بات یاد آگئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھر کے جانوروں کو مارنا پسند نہیں کرتے تھے۔

آپؑ کی طبیعت میں تکلف اور نمود ہرگز نہیں تھا چنانچہ کھانا وغیرہ چارپائی پر بیٹھ کر، اسی طرح فرش اور تخت پر بیٹھ کر بڑی سادگی اور بے تکلفی سے کھالیا کرتے تھے۔ اسی طرح رومال میں ہی کنجیاں باندھ لیا کرتے تھے اور پیسے وغیرہ بھی۔ حضور چونکہ بعض تکلیفوں کی وجہ سے اکثر مشک کا استعمال بھی رکھتے تھے اس لئے میں نے بعض اوقات رومال میں حضور کو مشک باندھے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

یہی سادگی اور بے تکلفی حضور کے لباس سے بھی عیاں تھی۔ حضور صاف ستھرے مگر سادہ کپڑے پہنتے تھے۔ رات کے دس گیارہ بجے تک عموماً کام کرتے اور پھر سونے کی تیاری کیا کرتے تھے۔ سوتے وقت حضور تہہ بند کا استعمال کیا کرتے تھے۔ عام لباس جو ہم نے اپنی ہوش میں حضور کا دیکھا ہے۔ وہ گرم پاجامہ، گرم صدری اور گرم کوٹ ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح ململ کی پگڑی جس کے نیچے ترکی ٹوپی ہوا کرتی تھی۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے اور مشرکوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ ہم پگڑیاں ٹوپیوں پر پہنتے ہیں اور مشرک ایسا نہیں کرتے۔

(ترمذی جلد اول باب اللباس)

آپؑ بڑی مصروف زندگی گزارتے تھے۔ یہ مصروفیت صبح سے لے کر رات گئے تک جب تک حضور سونے کی تیاری نہ فرماتے جاری رہتی۔ صبح کے وقت اگر حضور کی صحت اجازت دیتی تو حضور سیر کے لئے ضرور تشریف لے جاتے۔ حضور کی معیت کا شرف حاصل کرنے کے لئے دوست مسجد مبارک کے نیچے جمع ہوجایا کرتے تھے۔ خصوصاً باہر سے آئے ہوئے دوست اس موقع کو غنیمت خیال کیا کرتے تھے اور اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا کرتے تھے کہ صبح کی سیر میں وہ ضرور شامل ہوں۔ ہم اُن دِنوں چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے اور قادیان سے جانب شمال قریباً میل بھر دور کسیر ہوتی تھی۔ ہم سیر میں وہاں تک جاتے تھے اور کسیرا اٹھا کر واپسی پر ساتھ لایا کرتے تھے۔ اس سیر کے لئے حضورؑ سورج نکلنے کے قریب تشریف لے جایا کرتے تھے۔ سیر میں مختلف احباب حضور سے مختلف دینی مسائل پر گفتگو بھی کرلیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ قادیان کے مشرق کی جانب سیر کے دوران ہی آپ نے میر عباس علی لدھیانوی کے متعلق اپنی رؤیا بھی سنائی کہ وہ سیاہ لباس پہنے کھڑا ہے اور میری طرف آنا چاہتا ہے لیکن حضور نے فرمایا کہ میں نے اسے جواب دیا کہ اب وقت گزر چکا ہے۔

اس سیر میں حضرت خلیفہ اولؓ بھی حضور کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ حضور تیز رفتار تھے اور اس کے مقابل پر مولوی صاحب تیز نہیں چل سکتے تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب اکثر پیچھے رہ جاتے اور حضور کئی دفعہ پیچھے مڑ کر ان کا انتظار کرتے۔

عام مصروفیات حضورؑ کی تصنیف کی تھیں۔ پچھلی عمر میں چلتے چلتے تصنیف کا کام فرمایا کرتے تھے۔ ایک گول میز ہوتی تھی جو چھاتی تک قریباً ساڑھے چار فُٹ اونچی تھی۔ اس میں ایک دراز تھی اور نیچے تین پیر تھے یہ میز غالباً میاں نظام الدین صاحب مرحوم سیالکوٹی نے بطور تحفہ حضور کی خدمت میں پیش کی تھی۔ حضور اس میز کے اوپر دوات رکھ دیتے تھے اور کاغذ اور قلم ہاتھ میں ہوتے تھے اور ٹہلتے ٹہلتے لکھتے جاتے تھے۔ دوات کے چونکہ گرنے کا خطرہ ہوتا تھا اس لئے وہ ایک اور مٹی کی موٹی سی دوات بنا کر اس میں فِٹ کی ہوتی تھی۔ یہ میز آپؑ کی وفات کے بعد میرے پاس آگئی تھی، اس پر ملتانی کام ہوا ہوا تھا۔ بعد میں یہ میز میں نے عزیزم مرزا منصور احمد کو دیدی تھی اور اب قادیان میں عزیزم مرزا وسیم احمد کی تحویل میں ہے۔

حضورؑ کے پاس ایک کاپی رہا کرتی تھی جو سوتے وقت حضور کے سرہانے ہوتی۔ جس وقت کوئی الہام وغیرہ ہوتا تو حضور اسے اسی وقت اس کاپی میں نوٹ کرلیا کرتے۔ قریباً 6X5 انچ کی تھی اور کوئی ڈیڑھ انچ موٹی سفید کاغذوں کی تھی جو لکیر دار نہیں تھے۔

اپنے بچوں کے ساتھ حضور کا سلوک نہایت شفقت اور محبت کا تھا۔ ایک دفعہ سردیوں کا موسم تھا۔ میں سکول کے لڑکوں کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے بڑی مسجد میں گیا۔ ان دنوں طالب علموں کے لئے ظہر کی باجماعت نماز سکول کے انتظام کے تحت بڑی مسجد میں ہوا کرتی تھی۔ اس وقت مجھے سردی لگی جو خوشگوار سی معلوم ہوئی۔ نماز پڑھ کر جب سکول کے کمرہ میں واپس آیا تو مجھے پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی چنانچہ میں اجازت لے کر گھر آیا اور نچلی منزل سے مکان میں اُن سیڑھیوں سے داخل ہوا جو حضرت صاحب کے رہائشی دالان میں کھلتی تھیں۔ اس کے بعد مجھے اتنا یاد ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پلنگ کی پائینتی کی طرف سہارا لگا کر لیٹ گیا ہوں۔ جب میری آنکھ کھلی تو غالباً دوسرا دن تھا۔ آپؑ میرے پاس تھے اور تیمارداری کررہے تھے۔ مجھے اتنا شدید بخار ہوگیا تھا کہ میں بیہوش ہوگیا تھا۔ اسی طرح جب ہم کبھی بیمار ہوجاتے تو بیماری میں خواہش کیا کرتے کہ آتشبازی کے انار اور پٹاخے وغیرہ چلانے کی اجازت دی جائے۔ حضور انار چلانے کی اجازت تو دیدیا کرتے تھے لیکن پٹاخوں کی نہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ انار وغیرہ سے ہوا بھی صاف ہوجاتی ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضورؑ گرمیوں میں جب باہر سونے کا موسم ہوتا تھا تو اس وقت ہمارے اوپر سائبان لگوائے جاتے تاکہ ہم اوس وغیرہ سے محفوظ رہیں اور بیمار نہ ہوجائیں۔

اسی طرح حضور بعض اوقات بچوں کو پیسے وغیرہ بھی دیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دو دفعہ حضور نے مجھے ایک روپیہ بھی دیا تھا۔

آپؑ بچوں کی بیماری میں ان کا علاج بھی تجویز فرما دیا کرتے تھے اور اپنے پاس سے دوائی بھی دیا کرتے تھے۔

ابتدائی زمانہ میں قادیان کے قریبی گاؤں کی عورتیں آکر حضور سے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے دوائی لے جایا کرتی تھیں۔ کئی دفعہ عورتیں دوائی حاصل کرکے اپنی تسلی کی خاطر پوچھا کرتی تھیں کہ کیا اس سے آرام آجائے گا۔

ایک دفعہ ایک عورت اپنے بچہ کو لائی جسے کھانسی کی شکایت تھی۔ حضرت اماں جان بھی اس وقت حضورؑ کے پاس موجود تھیں۔ انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا کہ اس بچہ کو کالی کھانسی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب اس بچہ کو دیکھا تو فرمایا کہ ہاں اسے تو کالی کھانسی ہی ہے اور ساتھ ہی حضرت اماں جانؓ سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کیسے پتہ لگا کہ اس بچہ کو کالی کھانسی ہے تو حضرت اماں جان نے فرمایا

کہ دیہات کی یہ عورتیں معمولی کھانسی کی تو پرواہ ہی نہیں کرتیں اگر کالی کھانسی ہی ہو تو تبھی جا کر یہ کسی کے پاس علاج کے لئے جاتی ہیں۔

حضور کو دورانِ سر اور نقرس کی تکلیف عموماً رہا کرتی تھی۔ نقرس کی درد میں آپ کئی دفعہ مولیاں پسوا کر لگوایا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس طرح اپنے گھر والوں کا، اپنے بچوں کا اور خود اپنی صحت کا خیال رکھا کرتے تھے۔ اسی طرح مہمانوں کا بھی بڑا خیال رکھنے والے تھے۔ جب کوئی مہمان آتا تو آپ حتی الوسع اس کے تمدن اور حالات کے مطابق اس کی تواضع اور خاطر داری فرمایا کرتے تھے اور کھانے میں اس کا خیال رکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ خواجہ کمال الدین صاحب کے لئے خاص طور پر شب دیگ پکوائی گئی تھی۔ خواجہ صاحب کشمیری تھے اور کشمیریوں کو شلجم بہت پسند ہیں اور کشمیری چونکہ بڑی سرخ رنگ کی چائے پسند کرتے ہیں اس لئے ایک دفعہ خواجہ صاحب ہی کے لئے حضرت اماں جان نے چائے پکوائی۔ ان دنوں چقندروں کا موسم تھا آپ نے پانی جوش دیتے ہوئے کچھ چقندر بھی اس میں ڈلوا دیئے تاکہ چائے کا رنگ زیادہ سرخ اور خوشگوار ہو جائے چنانچہ بعد میں یہ چائے خواجہ صاحب اور دوسرے مہمان جو آئے تھے انہیں پیش کی گئی۔

ابھی مہمانوں کی آمد کثرت سے شروع نہیں ہوئی تھی تو حضور باہر مہمانوں کے ساتھ بھی کھانا کھا لیا کرتے تھے۔ بعد میں جب مہمانوں کی طرف سے کھانے کے دوران بعض گھِن آنے والی باتیں ہوئیں تو حضورؑ نے پھر یہ طریق چھوڑ دیا۔

حضور کی مجلس بڑی سادہ اور دلوں کے لئے فرحت بخش ہوتی تھی۔ یہ نہیں ہوتا تھا کہ طبیعتوں پر بیٹھے ہوئے کسی قسم کا دباؤ یا تکلف کا بوجھ ہو۔ آپؑ کی مجلس میں لوگ بڑے آزادانہ طور پر بیٹھے ہوا کرتے تھے اور کھل کر گفتگو کر لیا کرتے تھے۔ ایسی مجلس ہوتی تھی کہ لوگ طبائع میں بشاشت محسوس کیا کرتے تھے۔ حضور ظہر اور عصر کی نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھا کرتے تھے لیکن زیادہ وقت گرمیوں میں مغرب کے بعد تشریف رکھتے تھے۔ مسجد مبارک کے صحن میں جانب غرب شہ نشین ہوتا تھا۔ اس پر عموماً حضور بیٹھا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب سر پر ہلکی سی ایک کپڑے کی ٹوپی پہنا کرتے تھے اور مجلس میں موجود ہوتے تھے۔ ایک ''پُغدر'' کو کچھ ایسی ضد پڑ گئی کہ وہ پنجہ مار کر ان کی ٹوپی لے جانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اسے مارنے کی بھی کوشش کی لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ آپ ہٹ گیا۔ مولوی سرور شاہ صاحب غلیل لے کر تیار رہا کرتے تھے۔

حضور علیہ السلام کی بعثت کی غرض ہی لوگوں تک اسلام کا صحیح پیغام پہنچانا اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت تھی۔ آپؑ نے اس فرض کو اپنی ساری زندگی میں جس شان سے نبھایا ہے اس کی مثال تیرہ سو سال میں نہیں مل سکتی۔ اس فرض کی ادائیگی کا یہ عالم تھا کہ معمولی موقعوں پر بھی اس کے لئے ہمہ تن تیار ہوتے تھے اور تاک میں رہتے تھے کہ کب کوئی موقع ملے اور حضور اس سے فائدہ اٹھا کر لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا پیغام پہنچائیں۔ ابتدائی زمانہ میں جب کہ فونوگراف ابھی شروع ہی ہوا تھا تو قادیان میں سوائے نواب صاحب کے کسی شخص کے پاس فونوگراف نہیں تھا۔ بعض ہندوؤں نے خواہش ظاہر کی کہ ان کو فونوگراف سنایا جائے چنانچہ اس کے لئے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خاص طور پر ایک تبلیغی نظم لکھی جس کی ابتداء اس طرح سے ہے کہ

آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

یہ نظم مولوی عبدالکریم صاحب نے نہایت خوش الحانی سے گا کر ریکارڈ کرائی اور پھر حضرت اماں جان کے صحن میں ہندوؤں کو یہ تبلیغی ریکارڈ سنایا گیا۔ اُس زمانہ میں فونوگراف کی مشین ایسی تھی جس میں ریکارڈنگ کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ ایک گول سلنڈر رہوتا تھا جس کے اوپر آواز بھری جاتی تھی اور پھر وہ سنی جا سکتی تھی۔ پھر اس کے بعد فونوگراف میں تبدیلیاں ہوئیں اور گراموفون کی شکل میں مشین تیار ہوئی۔

حضور کا سلوک اپنے خادموں سے نہایت شفقت اور ہمدردی کا تھا اور اگر ان سے کوئی معمولی غلطی ہو جاتی تو آپ درگزر اور چشم پوشی کا سلوک فرمایا کرتے اور چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک نانبائی کے متعلق شکایت ہوئی کہ یہ کھانے میں چوری کرتا ہے تو حضور سن کر ہنس پڑے اور فرمایا: اگر یہ ولی اللہ ہوتا تو خدا تعالیٰ اسے ایسے کام میں کیوں ڈالتا یہ ایک روٹی کے لئے دو دفعہ جہنم میں جاتا ہے۔ اسی طرح میاں کریم بخش باورچی کے متعلق بعض لوگوں کا خیال تھا کہ غالباً یہ کھانے میں چوری کرتے ہیں لیکن وہ دراصل چور نہیں تھے۔ وہ اپنا حق سمجھ کر کھانے میں سے اپنا حصہ رکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ میاں کریم بخش کا پیغام آ گیا کہ مجھے آج اپنا کھانا رکھنا یاد نہیں رہا اس لئے بھجوا دیا جائے۔ چنانچہ اس پر انہیں ان کا حصہ بھجوا دیا جاتا۔ اس سے یہ امر بھی عیاں ہوتا ہے کہ حضور کے ہاں جو کچھ پکا کرتا تھا بالعموم وہی آپ کے خادم اور کام کرنے والے کھایا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عادت تھی کہ حضور سائلوں کو کبھی خالی ہاتھ نہیں جانے دیا کرتے تھے بلکہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ضرور دیا کرتے۔ ایک دفعہ ایک سائل آیا اور واپس چلا گیا۔ حضور کو جب معلوم ہوا تو اس سے آپ کو بڑی پریشانی ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر میں جبکہ حضور پریشانی کے اسی عالم میں ہی تھے تو وہ فقیر واپس آ گیا اور پھر حضورؑ نے اسے کچھ دیا اور تب حضور کو تسلی ہوئی۔ حضور کی زندگی میں ایک سائل آیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا غلام احمد ایک روپیہ ہی لے کر جانا ہے۔ چنانچہ حضور اسے روپیہ ہی دیا کرتے تھے تب وہ جایا کرتا تھا۔

حضور نے اگر کسی غلطی پر کسی کو تنبیہہ کرنی ہوتی تو اس کے لئے بھی کسی قسم کی سختی اور درشتی کا اظہار کئے بغیر کوئی مناسب ذریعہ اصلاح تجویز فرماتے۔ حضور کو چونکہ پیشاب کثرت سے آیا کرتا تھا اس لئے حضور کا طریق تھا کہ حضور گرم پانی کروا کر وضو اور طہارت وغیرہ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ خادمہ نے پانی اتنا گرم کر کے دے دیا کہ حضور اسے برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ حضور نے خادمہ کو بلوا کر اسے محض یہ سمجھانے کی غرض سے کہ اتنا گرم پانی برداشت سے باہر ہے اس کے ہاتھ پر وہی گرم پانی گرایا اور فرمایا کہ دیکھو یہ اتنا گرم ہے اور اس کے علاوہ حضور نے کوئی اور تادیب اسے نہیں کی۔

حضرت مسیح موعودؑ نے جن دنوں اپنا لاہور کا آخری سفر کرنا تھا تو اس میں کئی قسم کی روکیں پیدا ہوتی رہیں۔ ایک دفعہ تو حضور دو دن کے لئے اس لئے بھی رُک گئے کہ مجھے تیز بخار پیچش کی شکایت ہوگئی تھی۔ اس کے بعد چونکہ بٹالہ سے لاہور تک کے لئے گاڑی ریزرو ہو چکی تھی اس لئے حضور کو بہرحال جانا پڑا اور حضور قادیان

سے لاہور جانے کے لئے بٹالہ تشریف لے گئے۔ رات بٹالہ میں حضور نے قیام فرمایا جہاں کی جماعت نے حضور کو رات کے کھانے کی دعوت دی ہوئی تھی۔ جب شام کے قریب حضور بٹالہ پہنچے تو جماعت کے لوگ کافی وقت گئے تک حضور سے ملتے رہے اور بہت رات گئے تک بھی انہوں نے کھانے وغیرہ کا کوئی انتظام نہ کیا۔ جب سب دوست مل ملا کر فارغ ہوئے تب انہیں اس طرف توجہ پیدا ہوئی حتیٰ کہ رات کے کوئی دو بج گئے۔ مَیں تو چھوٹی عمر میں تھا اور بیمار بھی تھا اس لئے زیادہ دیر تک برداشت نہ کرسکا چنانچہ مجھے تنور کی روٹی بازار سے منگوا کر شوربے میں بھگو کر دی گئی اور وہی میں نے کھالی۔ (مجھے یاد ہے کہ میری بیماری کی وجہ سے دوسرے دن اسی طرح وہ ٹکڑے نکل گئے تھے)۔ اسی طرح خود حضرت اماں جانؓ نے بھی اپنی بھوک کا بڑی شدّت سے اظہار کیا تھا لیکن اتنی دیر ہونے اور تکلیف کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کسی معمولی سے معمولی اشارے سے بھی جماعت کے دوستوں سے اپنی تکلیف یا ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ نہایت صبر اور سکون سے وقت گزارا اور صرف یہی نہیں بلکہ علیحدگی میں اپنے گھر کے افراد سے بھی اس دیر یا تکلیف کا اظہار نہیں فرمایا۔

اپنے ملنے والوں کے ساتھ حضورؑ کا سلوک نہایت اچھا تھا۔ اگر کوئی شخص حضورؑ کے دروازے پر آ کر حضورؑ سے ملنا چاہتا تو حضورؑ اُسے بہت جلد مل لیا کرتے تھے اور انتظار کرنے کا موقع نہیں دیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قادیان کے ہندوؤں میں سے لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت اکثر حضورؑ سے ملنے کیلئے حاضر ہوا کرتے تھے تو حضورؑ فوراً ہی ان کو بلوا لیا کرتے تھے اور انہیں انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چھوٹے چھوٹے امور میں بھی جن کی طرف فوری طور پر بظاہر انسان کی نگاہ نہیں جاتی شریعت کا بڑا خیال رکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک حبشی عورت قادیان آئی اور اس نے کہا کہ اسے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جو اُن دنوں پٹیالہ میں ہوتا تھا بھیجا ہے تاکہ وہ یہاں کے حالات دیکھ جائے۔ حضورؑ کی خدمت میں یہ بات پہنچائی گئی تو آپؑ نے غالباً شیخ یعقوب علی صاحب مرحوم کو فرمایا کہ اس عورت کے حالات وغیرہ دریافت کرلیں کہ یہ کیسی عورت ہے اور اس پر حضورؑ نے ولانساء ھن کے الفاظ کہہ کر قرآن شریف کی اس آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْ آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَاءِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا۔ (الاحزاب:56)

شرعی امور کے لحاظ میں حضور اپنے عزیز سے عزیز سے بھی کسی قسم کی رعایت کے روادار نہیں تھے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک عزیز کے متعلق اخلاقی لحاظ سے کوئی رپورٹ ہوئی۔ حضورؑ نے بجائے خود اس شکایت پر کارروائی کرنے کے بعض آدمیوں کا ایک کمیشن مقرر فرمایا اور کہ شکایت کرنے والا کمیشن کے سامنے بیان دے۔ جہاں تک میرا خیال ہے حضور نے حلفیہ بیان کے لئے کہا تھا۔ چنانچہ اس پر جو آدمی مقرر کئے گئے وہ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں بیٹھے اور ایک آدمی بھجوایا گیا تاکہ اس شخص کو بلا لائے جس نے شکایت کی تھی مگر وہ شخص غالباً حلف کی وجہ سے ڈر گیا اور کوئی بیان آ کر اُس نے نہ دیا۔

نواب محمد علی خان صاحب کی پہلی بیوی جب فوت ہوئی تو آپؓ دوسری شادی کرنے لگے۔ راولپنڈی کا ایک غیر احمدی رئیس اُن دنوں آیا ہوا تھا۔ اُن کی بیوی اور سالی بھی اُن کے ساتھ تھی۔ اسی لڑکی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نواب صاحب کو تحریک فرمائی اور لڑکی نواب صاحب کو دکھلائی گئی (میں اُس وقت چھوٹی عمر میں تھا اور خود وہاں موجود تھا)۔ لیکن بعد میں یہ رشتہ ہو نہیں سکا تھا۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول کے بعض طالب علموں کے متعلق بعض اخلاقی شکایات پیدا ہوگئیں۔ حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ان کو قادیان سے رخصت کردینا چاہئے۔ حضرت خلیفہ اول حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہر بات میں بڑا احترام ملحوظ رکھا کرتے تھے لیکن اُس وقت ان کے منہ سے نکل گیا کہ کوئی شرعی ثبوت تو نہیں ہے۔ حضورؑ نے فرمایا ہم کون سی شرعی سزا دے رہے ہیں۔

اس امر سے پتہ لگتا ہے کہ بعض اوقات کسی قسم کے جرم پر شرعی ثبوت کے بغیر بھی اصلاحی اقدامات ناگزیر ہوجاتے ہیں اور کچھ نہ کچھ اصلاح کا ذریعہ تجویز کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مشن ہی چونکہ توحید الٰہی کا قیام اور بندوں کا خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا تھا اس لئے حضورؑ ہمیشہ دوسروں کو دعا کی تحریک فرمایا کرتے تھے۔ خود حضورؑ کے اپنے شب و روز دعاؤں میں ہی گزرتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک کوٹھڑی میں الگ دعا کے لئے جایا کرتے تھے اور اس دعا پر کافی وقت لگایا کرتے تھے۔ حضور کا یہ طریق ایک لمبے عرصہ تک جاری رہا۔

حضور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی دعا کی تحریک کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی خواب وغیرہ دکھائے تو اس سے بھی آگاہ کرنا چنانچہ ہماری چھوٹی بہن سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا ایک واقعہ ہے جس کی تصدیق انہوں نے خود اپنے الفاظ میں لکھ کر مجھے بھجوائی ہے۔ اس واقعہ کے متعلق ان کے اپنے الفاظ ہیں کہ انہیں ’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکثر دعا کے لئے فرماتے تھے اور روزانہ ہی قریباً دریافت فرماتے تھے کہ تم نے کوئی خواب دیکھا۔ یہ موقعہ ایسا تھا کہ سفر لاہور کے متعلق گھر میں ذکر ہوتا تھا اس لئے میرا قیاس یہی تھا اور ہے کہ اسی سلسلہ میں دعا اور استخارہ کا حکم دیا ہوگا ورنہ آپ نے لاہور کا نام نہیں لیا تھا بلکہ اتنا ہی فرمایا تھا کہ میرا ایک کام ہے اس کے لئے دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرو اور جو خواب آئے مجھے بتانا۔ میں نے حسب الارشاد دو رکعت بعد عشاء پڑھے اور دعا کی۔ اسی شب خواب میں دیکھا کہ میں مسجد کی چھت کی جانب آئی ہوں اور دیکھا کہ کمرے کے آگے صحن میں ایک اور حصہ چھت کا زائد حضرت اماں جان کے صحن کی جانب بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس جگہ حضرت خلیفہ اولؓ بیٹھے ہیں کچھ خاموش سے اور گہری فکر میں ہیں۔ ہاتھ میں ایک کتاب ہے۔ سائز حقیقۃ الوحی جتنا مگر حجم کم ہے۔ درمیانی سی کتاب ہے مجھے دیکھ کر نظر اٹھائی اور فرمایا: ’’میں ابوبکر ہوں‘‘ اور ساتھ ہی کتاب دکھا کر کہا کہ یہ حضرت مسیح موعود کے الہامات ہیں جو میرے لئے ہیں۔ چہرہ آپؓ کا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی گہری سوچ میں انسان کھویا ہوا سا ہو اور متفکر ہو۔ مَیں نے یہ خواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صبح دریافت فرمانے پر آپ کو سنا دیا۔ آپ نے فرمایا: ’’اپنی امّاں کو یہ خواب نہ سنانا‘‘۔

وفات کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اب آپ اپنے مولائے حقیقی اور رفیق جاودانی کے پاس جانے والے ہیں۔ مئی 1908ء میں لاہور جاتے ہوئے آپؑ نے حجرہ بند کیا۔ حجرہ وہ کمرہ ہے جس میں آخری عمر میں آپ تصنیف فرمایا کرتے تھے۔ اس کا ایک دروازہ امّ ناصر کے مکان کی طرف کھلتا تھا اور دوسرا بیت الدعا میں اور تیسرا میرے سابقہ مکان کے صحن میں۔ اس حجرہ کو بند کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا: اب ہم اس کو نہیں کھولیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی حضور کی وفات ہوگئی اور پھر یہ حجرہ کھولنے کا موقعہ حضور کو نہیں ملا۔

حضورؑ جب لاہور کے سفر پر گئے ہیں تو قادیان میں لنگر کا انتظام مولوی محمد علی صاحب کے سپرد تھا۔ لنگر کا خرچ چونکہ عموماً زیادہ ہوا کرتا تھا اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے متعلق فکر رہتی تھی۔ لیکن جن دنوں میں حضور لاہور میں تھے تو بعد میں مولوی محمد علی صاحب نے یہ اظہار کیا کہ لنگر کے خرچ کے متعلق اکثر کہا جاتا تھا کہ بہت زیادہ ہوجاتا ہے مگر لنگر کا خرچ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ بات حضورؑ کو بھی لاہور پہنچ گئی تو حضورؑ نے فرمایا: اس بے وقوف کو پتہ نہیں کہ ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں وہاں جاتا کون ہے جو لنگر سے کھانا کھاتا ہو۔ لنگر کا خرچ تو وہاں ہوتا ہے جہاں ہم ہوتے ہیں۔ یہ بات حضورؑ نے حضرت اماں جانؓ کے سامنے بیان فرمائی تھی اور میں خود اس وقت وہاں موجود تھا۔ چنانچہ بعد میں غالباً اسی امر کے سلسلہ میں حضورؑ نے مولوی محمد علی صاحب کو لاہور بلوایا تھا اور مولوی شیر علی صاحب بھی ان کے ساتھ گئے تھے تو حضورؑ نے ان سے بھی اس خرچ کے متعلق ذکر فرمایا اور ایک رنگ میں اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اب میرا ارادہ قادیان کی بجائے کسی اور جگہ جانے کا ہے۔ مولوی شیر علی صاحب کہتے تھے کہ شاید طبیعت کی کسی قسم کی کوفت کی وجہ سے ایسا فرمارہے ہیں لیکن بعد میں حضورؑ کی وفات نے بتادیا کہ دراصل اس سے کیا مراد تھی۔

1905ء کے موسمِ بہار میں جب کانگڑہ کا زبردست زلزلہ آیا تھا تو اس وقت میں سورہا تھا یا قریباً سونے کی کیفیت میں تھا۔ صبح کے وقت نماز کے قریب ہی زلزلہ آیا تھا۔ قریباً نصف گھنٹے تک اس کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے تھے۔ جب تک یہ جھٹکے رہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مکان سے باہر نہیں گئے بلکہ اندر ہی رہے اور کثرت سے استغفار کرتے رہے۔ اس زلزلہ کے بعد ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے باغ میں تشریف لے گئے تھے اور کافی عرصہ تک وہیں رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ حضرت نواب صاحبؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ بھی آپؑ کے ساتھ تھے۔ اس وقت مدرسہ بھی جو بالکل ابھی ابتدائی حالت میں تھا باغ میں ساتھ چلا گیا تھا۔ انہی دنوں طاعون کا موسم بھی تھا اور چوہدری حاکم علی صاحب جو چک نمبر 9 پنیار ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے قادیان آئے تھے۔ جب انہوں نے اپنے ٹھہرنے کے متعلق دریافت کیا تو حضورؑ نے فرمایا کہ آپ ہمارے شہر والے مکان میں چلے جائیں اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے طاعون سے خاص طور پر محفوظ رکھنے کا وعدہ بھی ہم سے کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں مَیں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ حضور اپنے پاس آنے والے مہمانوں اور دوستوں کو زیادہ سے زیادہ دیر تک ٹھہرنے اور قیام کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ متعدد پرانے صحابہ مثلاً حضرت منشی اروڑے خاں صاحبؓ، حضرت مولوی عبداللہ سنوری صاحبؓ، حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلویؓ، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور اسی طرح کئی اور دوستوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ وہ جب آتے اور واپس جانے لگتے تو حضور انہیں مزید ٹھہرنے کا ارشاد فرماتے چنانچہ ایسے دوست اور زیادہ قیام کرتے اور حضور کے فیضِ صحبت سے مالا مال ہوتے۔ یہ امر جہاں حضور کی شفقت ومحبت کی دلیل ہے جو حضورؑ کو اپنے خدام اور مخلصین سے تھی۔ وہاں دراصل اس خواہش اور کوشش کی بھی شاہد ہے جو حضور اپنے خدام کے اندر ایک روحانی تغیر پیدا کرنے کے لئے کر رہے تھے۔ روحانی تغیر اور ایمان کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنے کے لئے صرف کتابیں اور لٹریچر و تقاریر کافی نہیں بلکہ وہ مقام جو کسی مامور من اللہ یا کسی برگزیدہ خدا کے فیضِ نظر سے ایک لحہ میں کسی شخص کو حاصل ہوسکتا ہے ناممکن ہے کہ وہ سینکڑوں سالوں میں بھی ہزاروں علمی کتابوں کے پڑھنے اور سننے سے حاصل ہو سکے۔ امام اور مرکز سے دلی لگاؤ دراصل ایمان کو ترقی دینے کے لئے دو بڑے اہم اسباب ہیں اور ہماری جماعت کے دوستوں کو ان دونوں کی اہمیت یقیناً پہلے سے بہت بڑھ کر محسوس کرنی چاہئے۔ آجکل مادیت کی لہریں پھر زور سے سر اٹھا رہی ہیں اور دنیاداری کے خیالات خصوصاً نوجوان نسلوں کے اذہان میں پرورش پانا شروع ہوگئے ہیں۔ ان دونوں کا مؤثر علاج یہ ہے کہ امام جماعت، نظام جماعت، مقام جماعت یعنی مرکز سے گہری وابستگی اور دلبستگی پیدا کی جائے اور ان کے لئے دلوں میں ایک خاص محبت کا جوش لہریں مارنا شروع کر دے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر میسر نہیں آتیں تاہم اس کے فضل کے جذب کرنے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ کوشش اور ہمت کی ضرورت ضرور ہے۔

میرے اپنے نکاح سے متعلق ایک واقعہ ہے جس سے دوستوں کو یہ اندازہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور دوسرے لوگوں کی طبائع اور ان کے نازک تر احساسات کا کس قدر خیال فرمایا کرتے تھے۔ 1907ء میں میرا نکاح میرے شہر والے مکان میں پڑھا گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے نکاح پڑھا تھا۔ اس موقع پر باہر کے دوستوں کو بلایا گیا تھا اور دوست کافی تعداد میں آئے تھے۔ میری عمر چھوٹی ہی تھی لیکن ایجاب وقبول خود مَیں نے ہی کیا تھا۔ اسی طرح لڑکی کی طرف سے خود حضرت نواب محمد علی خاں صاحب تھے۔ اس موقع پر حضرت نواب صاحب کے دو غیر احمدی بھائی بھی قادیان آئے ہوئے تھے۔ حضرت اماں جانؓ نے فرمایا کہ نکاح کی مجلس ان کی موجودگی میں ہوتا کہ یہ بھی اس میں شریک ہوجائیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں یہ لوگ تو مخالف ہیں اگر نکاح کی مجلس ان کی موجودگی میں ہوئی اور یہ اس میں شریک ہوئے تو ہوسکتا ہے کہ کسی بات سے یہ بُرا منائیں اور مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں اس سے خواہ مخواہ انہیں بھی اور ہمیں بھی تکلیف ہوگی۔ چنانچہ بعد میں جب وہ قادیان سے چلے گئے تو پھر مجلسِ نکاح کا انعقاد ہوا اور اس سے پہلے صرف اسی وجہ سے انتظار کیا گیا کہ کہیں ان باہر سے آئے ہوئے دوستوں کے لئے کوئی ناگوار بات پیدا نہ ہوجائے۔

صداقت مسیح موعودؑ کا ایک نشان

(محمد ابراھیم واقفِ زندگی ۔ حال لندن)

رسالہ ''انصارالدین''(جولائی واگست 2017ء) میں حضرت ماسٹر ماموں خانؓ صاحب لدھیانوی کے بارہ میں مکرم عبدالرحمٰن شاکر صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے جس میں قصبہ ماچھیواڑہ ضلع لدھیانہ کے پانچ اصحاب مسیح موعودعلیہ السلام کے اسمائے گرامی لکھے ہیں۔

ماچھیواڑہ سے غوث گڑھ دو میل کے فاصلہ پر واقع تھا اور یہاں حضرت منشی عبداللہ سنوریؓ صاحبؓ کے ذریعہ جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ آپؓ 1880ء سے 1925ء تک بطور اہلکار محکمہ مال وہاں مقیم رہے تھے۔ آپؓ کے قادیان منتقل ہوجانے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن شاہ صاحبؓ جماعت غوث گڑھ کے امام الصلوٰۃ مقرر ہوئے۔

حضرت حکیم صاحبؓ غوث گڑھ میں مطب فرمایا کرتے تھے اور علاقہ بھر میں بہت نیک شہرت رکھتے تھے۔ آپؓ کے قبول احمدیت کا واقعہ جو بہت دلچسپ اور ایمان افروز ہے، ذیل میں ہدیۂ قارئین ہے:

حضرت حکیم صاحبؓ کی روایت ہے کہ 92-1891ء میں حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور مولوی محمدحسین صاحب بٹالوی کا لدھیانہ میں ایک مناظرہ طے پایا۔ لدھیانہ کے اردگرد اس مناظرہ کی بڑی مشہوری ہوئی۔

حکیم صاحب کے تایا سید عبدالہادی شاہ صاحب معہ اپنے ایک ساتھی مسمّی نظام الدین صاحب (جو مولوی محمدحسین صاحب بٹالوی کے مریدوں میں سے تھے) یہ مناظرہ سننے کے لئے لدھیانہ گئے۔

مولوی محمدحسین بٹالوی صاحب حضور علیہ السلام کے ساتھ مناظرہ تو طے کر بیٹھے تھے مگر ایسے مرعوب تھے کہ حیلوں بہانوں سے اس مناظرہ سے بھاگنا چاہتے تھے۔ بہرحال وقتِ مقررہ پر مناظرہ کا سٹیج لگ گیا اور لوگ کثیر تعداد میں مناظرہ سننے کے لئے آجمع ہوئے تو بٹالوی صاحب نے حضور علیہ السلام سے پہلا سوال یہ کیا کہ حدیث کے بارہ میں آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ اور شرط یہ رکھی کہ جواب صرف ہاں یا نہ میں دیں۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں یا نہ کہنے سے میرے عقیدہ کا پورا اظہار نہ ہو سکے گا، اس کی تشریح لازم ہے۔

مگر مولوی صاحب اپنی بات پر اَڑے رہے اور یہ کہتے ہوئے راہِ فرار اختیار کرلی کہ مرزا صاحب میرے سوال کا جواب نہیں دے سکے۔

سید عبدالہادی شاہ صاحب اور میاں نظام دین صاحب نے آپس میں مشورہ کیا کہ اتنا سفر بھی کرکے آئے، وقت بھی ضائع ہوا اور ہاتھ بھی کچھ نہ آیا۔ پھر انہوں نے از راہِ شرارت ایک ترکیب سوچی کہ چلو مرزا صاحب سے جاکر ملتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں قرآن کریم سے وفاتِ مسیحؑ کے ثبوت پر مشتمل ایک آیت لکھ دیں۔ اور جیسا کہ مولوی محمدحسین صاحب یہ کہا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کو قرآن کریم سے اس کی کوئی آیت نہیں ملے گی تو اس طرح مرزا صاحب شرمندہ ہوجائیں گے۔

چنانچہ یہ دونوں حضور علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور پوچھا کہ کیا قرآن کریم کی رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں؟ حضورؑ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہمیں ایک آیت لکھ دیں گے؟۔ حضورؑ نے فرمایا کہ میں تو قرآن کریم کی تیس آیات سے ثابت کرسکتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں صرف ایک آیت ہی لکھ دیں۔

حضورؑ نے ایک آیت لکھ دی۔ وہ دونوں یہ آیت لے کر مولوی محمدحسین صاحب کے پاس چلے گئے اور اُن سے کہا کہ قرآن کریم کی کسی آیت سے بقول آپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت نہیں۔ اب ہم مرزا صاحب کو پھنسا آئے ہیں، یہ آیت لیں اور اس کی نفی کردیں۔

مولوی صاحب نے یہ سن کر میاں نظام دین سے کہا کہ او لنگریا! مَیں مرزا صاحب کو حدیث کی طرف لا رہا ہوں اور تُو قرآن کریم کی طرف لے جا رہا ہے۔

مولوی صاحب کی یہ بات سن کر ان دونوں کے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور یہ کہتے ہوئے دونوں اُن کے کمرہ سے باہر نکل گئے کہ جدھر قرآن ہے اُدھر ہی ہم ہیں۔ اس کے بعد دونوں باہم مشورہ کرکے قادیان پہنچے اور اپنا سارا قصّہ حضور علیہ السلام کے گوش گزار کرکے بیعت کرلی۔

مولوی محمدحسین صاحب کو ان دونوں کی بیعت کرنے کے واقعہ کا علم ہوا تو وہ غصّہ میں آگئے اور کہنے لگے کہ مَیں ماچھیواڑہ کا دورہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ وہ احمدی کس طرح رہتے ہیں۔ چنانچہ چند دن کے بعد وہ بٹالہ سے روانہ ہوئے۔ پہلا پڑاؤ بہرام پور تھا اور پھر مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے ماچھیواڑہ کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا پروگرام تھا۔

حضرت سید عبدالہادی شاہ صاحبؓ کو مولوی صاحب کے اس پروگرام سے تشویش ہوئی اور انہوں نے اپنی استقامت کے لئے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی خدمت اقدس میں دعا کی درخواست بذریعہ خط کی۔

ماچھیواڑہ میں ہی گنگا بشن نامی ایک آریہ بھی پولیس کا ملازم تھا۔ اُس نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کو تکلیف پہنچانے کے لئے اُسی دن ایک خط میں حضورؑ کو لکھا کہ آپ کا مرید سید عبدالہادی سخت بیمار اور لاچار ہے۔

دونوں خط ایک ہی دن ماچھیواڑہ سے ڈاک میں ڈالے گئے اور ایک ہی وقت میں قادیان پہنچے۔ حضورؑ نے ڈاک میں پہلے شاہ صاحب کا خط ملاحظہ فرمایا اور خط پر دُعا دے کر آخر پر اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا کہ: ''مولوی محمدحسین صاحب ہرگز ماچھیواڑہ نہیں آئیں گے''۔

پھر حضورؑ نے گنگا بشن کا خط بھی ملاحظہ فرمایا اور اُس پر لکھا: ''اس اندھے کو اپنے قصبہ میں رہ کر یہ بھی نظر نہ آیا کہ ہمارے دوست تو خیریت سے ہیں''۔

حضرت شاہ صاحب کو حضور علیہ السلام کا جوابی خط اُس وقت ملا جبکہ مولوی محمد حسین صاحب اپنے دورے کے دوران پُووت پہنچ چکے تھے اور وہیں سے ماچھیواڑہ آنا تھا۔ چنانچہ ماچھیواڑہ کے لوگوں نے مولوی صاحب کے لئے ایک بگھی پُووت بھجوادی اور خود سارا شہر استقبال کے لئے ایک میدان میں جمع ہو گیا۔

اب شاہ صاحب کی حالت دیکھنے والی تھی ایک طرف حضورؑ کا خط جس میں درج تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب ہرگز ماچھیواڑہ نہیں آئیں گے اور یہ خط وہ اپنے دوستوں کو دکھا بھی چکے تھے۔ دوسری طرف لوگوں کا مجمع جو مولوی محمد حسین صاحب کے استقبال کے لئے جمع تھا جبکہ ایک بگھی بھی مولوی صاحب کو لانے کے لئے پُووت بھیجی جا چکی تھی۔

پُووت والے مولوی صاحب کو الوداع کرنے کے لئے اپنے گاؤں کے باہر جمع تھے۔ ماچھیواڑہ کی بگھی والا بھی وہاں پہنچا ہوا تھا۔ جب مولوی صاحب نے وہاں سے روانہ ہونے کے لئے اپنا ایک پاؤں بگھی کے رکاب میں رکھ دیا تھا اور دوسرا ابھی زمین پر ہی تھا کہ اچانک انہیں کچھ خیال آیا اور انہوں نے پوچھا کہ ماچھیواڑہ سے ہمارے استقبال کے لئے کون آیا ہے؟

بگھی بان نے جواب دیا کہ میں حاضر ہوں اور سارا شہر جناب کے پیشوائی کے لئے شہر کے باہر جمع ہے۔

یہ سن کر مولوی صاحب نے رکاب میں رکھا ہوا اپنا پاؤں واپس زمین پر اتار لیا اور کہنے لگے کہ میں اُس متکبّر شہر میں جانے کے لئے ہرگز تیار نہیں جس کے مکین میرے استقبال کے لئے یہاں نہیں آئے۔ پھر مولوی صاحب بڑی عجلت میں بٹالہ جانے کے لئے قریبی ریلوے سٹیشن کھنہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

بگھی بان اپنی خالی بگھی لے کر ماچھیواڑہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ بگھی آتی ہوئی دیکھ کر لوگ بیحد خوش ہوئے کہ اُن کے پیر کی آمد آمد ہے۔ دوسری طرف حضرت عبدالہادی شاہ صاحبؓ کی حالت دیدنی تھی۔ مگر امام الزمان علیہ السلام کے قلم سے نکلا ہوا فقرہ کس طرح غلط ہو سکتا تھا۔ چنانچہ بگھی قریب پہنچی تو وہ خالی تھی۔ شاہ صاحب اُسی وقت سجدہ میں گر گئے اور خُدا کا شُکر ادا کیا۔

اس طرح حضرت شاہ صاحبؓ کے خط پر لکھے ہوئے حضور علیہ السلام کے الفاظ نہایت شان سے پورے ہوئے۔ جبکہ گنگا بشن کے خط پر لکھی ہوئی ایک پیشگوئی بھی اسی شان سے پوری ہونے جا رہی تھی کہ اس اندھے کو اپنے قصبہ میں رہ کر یہ بھی نظر نہ آیا کہ ہمارے دوست تو خیریت سے ہیں"۔

اُنہی دنوں گنگا بشن کی کیفیت ایسی ہوئی کہ اُسے اچانک آنکھوں سے دِکھائی دینا بند ہو گیا۔ بڑا علاج کروایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بظاہر اس کی آنکھیں بالکل درست تھیں۔ نہ کوئی بیماری ہوئی نہ درد ہوا مگر بینائی جاتی رہی۔ جتنے طبیبوں نے اُسے دیکھا یہی کہا کہ کوئی بیماری نہیں حتیٰ کہ لدھیانہ کے مشہور انگریز ڈاکٹر سمتھ صاحب نے بھی اُسے کہہ دیا کہ تم مکر کرتے ہو۔ مگر وہ پکار پکار کر کہتا تھا کہ مجھے تو کچھ نظر نہیں آتا۔

ابھی گنگا بشن کے لئے ایک اَور سزا باقی تھی وہ اس طرح کہ جلد بعد اسے فالج آ گیا اور چلنے پھرنے سے وہ قطعی معذور ہو گیا۔ بہت مہیب آوازیں نکالا کرتا تھا اور ایک سال کے اندر اندر وہ بڑی تکلیف اور حسرت سے مرا۔

بقیہ از صفحہ 4: ظہور مسیح موعود و امام مہدی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی خدا نے آپ کو اپنے وعدوں کے مطابق ایک جانثار جماعت عطا کی اور لاکھوں سعید فطرت لوگوں نے قبولیت کی سعادت پائی۔ ہزار ہا ایسے تھے جنہوں نے اپنے وطنوں کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر مسیح کے قدموں میں بیٹھ رہنا باعثِ شرف سمجھا۔ انہیں اپنے محبوب سے عقیدت اور عشق تھا، آپ کی ہر ادا پر جاں نثار کرنے کو تیار۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس "جہاد بالقلم" کے مداح غیر از جماعت مسلمان نیز عیسائی اور ہندو احباب بھی تھے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کی وفات پر مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا کہ:

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے۔ جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس سال تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ دنیا سے اُٹھ گیا ان کی خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے۔ ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جاوے۔"

(تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 560)

اسی طرح آپؑ کے ایک مخالف مرزا حیرت دہلوی نے لکھا کہ:

"بحیثیت ایک مسلمان ہونے بلکہ محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔" (تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 565)

پھر ایک ہندو اخبار نے برملا یہ اظہار کیا کہ:

"اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو مرزا صاحب ایک صفت میں حضرت محمد ﷺ سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور وہ صفت ہے استقلال۔" (تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 566)

الغرض حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی موعود علیہ السلام میدانِ مذاہب میں ایک جری اور بہادر پہلوان کی طرح گرجے، ہر مذہب کے روحانی پیشواؤں اور لیڈروں کو مقابلہ کے لئے بلایا اور ہر میدان میں فتح نصیب جرنیل رہے۔ یہ آپ کے مسیحائی نفس کا اعجاز ہے کہ تقسیمِ ہند کے بعد مشرقی پنجاب کی ہزاروں مساجد، مقدّس مقامات اور دینی تنظیموں کے مراکز تو اُجڑ گئے جب کہ قادیان کا منارۃ المسیح صدائے حق بلند کرتا رہا اور کرتا رہے گا اور سعید روحیں سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ گیت گاتی رہیں گی:

مسیح دنیا کا رہنما ہے ، غلام احمد ہے ، مصطفیٰ ہے
بُروز اقطاب و انبیاء ہے ، خُدا نہیں ہے خُدا نُما ہے
اسی کے دَم سے مَرا تھا آتھم ، اُسی نے لیکھو کا سر کیا خم
اسی کا دُنیا میں آج پرچم ، ہُما کے بازو پہ اُڑ رہا ہے
مُقابلہ میں جو تیرے آیا ، نہ خالی بچ کر کبھی بھی لوٹا
یہ دبدبہ دیکھ کر مسیحا! جو کوئی حاسد ہے جل رہا ہے

بانئ پاکستان اورجماعت احمدیہ

(قسط دوم ۔ آخر)

(جمیل احمد بٹ)

8۔قائداعظم کا حضرت امام جماعت احمدیہ کو دعا اور مدد کا پیغام اور آپ کا مثبت ردِعمل

قدیم مسلم لیگی اور قائداعظم کے ساتھی سردار شوکت حیات صاحب کی کتاب "The Nation that lost its soul" 1995ء میں شائع ہوئی اور پہلی بار یہ بات ظاہر ہوئی کہ ان انتخابات میں قائداعظم نے حضرت امام جماعت احمدیہ کو دعا کی درخواست اور امداد کے لئے پیغام بھجوایا تھا۔سردار صاحب لکھتے ہیں:

"One day I got a message from Quaid e Azam saying Shaukat, I believe you are going to Batala, which I understand is about five miles from Qadian, please go there and meet Hazrat Sahib and request him on my behalf for his blessings and support for Pakistan's cause. After the meeting that night at about twelve mid night, I reached Qadian, when I got there Hazrat Sahib had retired. I sent him a message that I had brought a request from Quaid-e-Azam. He came down immediately and enquired what were Quaid's orders. I conveyed him Quaid's message to pray for and also support Pakistan. He replied please convey to the Quaid-e-Azam that we have been praying for Mission from the very beginning. Where the help of his followers concerned, no Ahmadi will stand against a muslim leaguer and someone disobays my advice the community would not support him."

(The Nation that lost its soul by Sardar Shoukat Hayat page 147 Jang Publishers, Lahore Dec 1995ء بحوالہ رسالہ خالد ربوہ اگست 1997ء صفحہ 25)

ترجمہ:ایک دفعہ مجھے قائداعظم کی طرف سے ایک پیغام موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ شوکت مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم بٹالہ جا رہے ہو اور میرا خیال ہے کہ قادیان بٹالہ سے پانچ میل دور ہے۔مہربانی کر کے تم وہاں جاؤ اور حضرت صاحب سے مل کر میری طرف سے انہیں پاکستان کے لئے دعا اور مدد کی درخواست کرو۔

جلسہ کے بعد آدھی رات بارہ بجے کے قریب میں قادیان پہنچا۔اس وقت حضرت صاحب سو چکے تھے۔ میں نے انہیں پیغام بھجوایا کہ میں ان کے لئے قائداعظم کی درخواست لے کر آیا ہوں۔فوراً اُٹھ آئے اور مجھ سے پوچھا کہ کیا احکام ہیں؟ میں نے انہیں قائداعظم کا پیغام پہنچایا کہ پاکستان کے لئے دعا اور مدد کریں۔اس پر انہوں نے کہا کہ قائداعظم کو بتا دیں کہ ہم پاکستان کے لئے ابتداء سے ہی دعا کر رہے ہیں،اور جہاں تک ان کے پیروکاروں کی مدد کا تعلق ہے تو کوئی احمدی کسی مسلم لیگی امیدوار کا مقابلہ نہیں کرے گا اور اگر کہیں ایسا ہوا تو جماعت اس کی حمایت نہیں کرے گی۔

9۔قائداعظم کا جماعتی خدمات پر اظہارِ تشکر

i۔ 1946ء کے آخر میں بہار میں فسادات میں مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا اور بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصان ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مظلوم مسلمانانِ بہار کے ریلیف فنڈ کے لئے قائداعظم کی خدمت میں پندرہ ہزار روپے کی پہلی قسط بھجوائی۔قائداعظم نے جواباً لکھا:''نیو دہلی 23 نومبر بنام ناظر صاحب امور عامہ جماعت احمدیہ قادیان۔......آپ کا خط اور چیک مل گیا ہے آپ کی امداد کے لئے بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔......جناح''۔

(الفضل 28 نومبر 1946ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 771)

ii۔ اوائل 1947ء میں سر خضر حیات کے استعفیٰ کا معاملہ بہت اہم تھا اور یہ صرف حضرت خلیفۃ المسیح کی راہنمائی میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوشش سے حل ہوا۔قائداعظم اس کے معترف تھے۔چنانچہ واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جماعت کے ناظر امور خارجہ حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب قائداعظم سے ملے تو انہوں نے جماعت احمدیہ کی اس کوشش کا بہت شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ آپ نے نہایت آڑے وقت ہماری مدد کی نیز کہا I can never forget it میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔

(قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ از مولانا جلال الدین شمس صفحہ 50 تقریر 28 دسمبر 1949ء)

10۔قائداعظم کا ایک احمدی کی تعریف اور اعلیٰ ذمہ داریاں تفویض کرنا

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث برصغیر کی سیاست میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔قائدِ اعظم کی مردم شناس نگاہ سے یہ امر پوشیدہ نہ تھا۔اسی لئے آپ ان کے مداح رہے۔مثلاً 1939ء میں ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:''میں اپنی اور اپنی پارٹی کی طرف سے آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں کو ہدیہ تبرک پیش کرنا چاہتا ہوں وہ مسلمان ہیں اور یوں کہنا چاہئے کہ گویا اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں''۔

(ہماری قومی جدوجہد از ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی صفحہ 218 مطبوعہ سنگ میل پبلیکیشنز،لاہور، 1995ء)

اسی سبب جولائی 1947ء سے ستمبر 1948ء تک کے پندرہ مہینوں میں قائداعظم نے چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو یکے بعد دیگرے چار اہم ترین ذمہ داریاں تفویض فرمائیں اوران میں مکرم چوہدری صاحب کی اعلیٰ کارکردگی کی کھلے دل سے تعریف کی۔

i-پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کی نمائندگی:

جولائی 1947ء میں پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے بھی پہلے پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا کیس لڑنے کے لئے قائداعظم کی نگاہِ انتخاب ظفر اللہ خاں صاحب پر پڑی۔اس تقرری کے بارے میں مشہور صحافی م ش

صاحب نے لکھا:

"قائداعظم نے چوہدری سرظفراللہ خاں کو مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے نامزد کیا تاکہ وہ پارٹیشن کمیٹی (باؤنڈری کمیشن) کے سامنے پیش ہوں۔...... قائداعظم معمولی انسان نہیں تھے وہ تاثرات کی بناء پر لوگوں کے متعلق رائے قائم کرنے کے عادی نہ تھے بلکہ وہ تجربہ کی کسوٹی پر لوگوں کو پرکھا کرتے تھے انہوں نے بہت سوچ بچار کے بعد ظفراللہ خاں کو مسلم لیگ کی نمائندگی کے لئے نامزد کیا تھا۔"

(نوائے وقت لاہور میگزین 6مارچ 1992ء

بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ 106)

کمیشن میں آپ کی کارکردگی پر قائداعظم کے خراج تحسین کا حال معروف صحافی منیر احمد منیر صاحب نے یوں بیان کیا:

"قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں کو پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر کیا تھا اور جب چوہدری ظفراللہ خاں یہ کیس پیش کر چکے تو قائداعظم نے انہیں شام کے کھانے کی دعوت دی اور انہیں معانقہ کا شرف بخشا جو قائداعظم کی طرف سے کرّہ ارض پر بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ معانقہ کرنے کے بعد قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں سے کہا میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا تم نے اسے اعلیٰ قابلیت اور نہایت احسن طریق سے سرانجام دیا۔"

(کالم مطبوعہ روزنامہ خبریں لاہور مورخہ 7جون 2003ء

بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ 143)

ii- اقوام متحدہ میں پاکستان کے پہلے وفد کی سربراہی:

پاکستان بنتے ہی اقوام متحدہ میں نمائندگی دلوانے اور دیگر زیر بحث معاملات میں پاکستان کی آواز بلند کرنے کے لئے پہلے پاکستانی وفد کی سربراہی کے لئے قائداعظم نے ظفراللہ خاں صاحب کو مقرر فرمایا۔ آپ کی اعلیٰ کارکردگی کے بارے میں امریکہ میں اس وقت کے پاکستانی سفیر حسن اصفہانی صاحب نے قائداعظم کے نام اپنے خط مورخہ 4/اکتوبر 1947ء میں لکھا:

ترجمہ: "اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد نے توقع سے بڑھ کر کارکردگی دکھائی ہے فلسطین کے مسئلہ پر ظفراللہ خاں نے جو تقریر کی وہ اقوام متحدہ میں اس مسئلہ پر ہونے والی بہترین تقریروں میں سے ایک ہے۔...... یہ کسی قسم کی تعلّی نہیں ہے کہ ہم نے واقعی عمدہ تاثر پیدا کیا ہے پاکستان نے اپنا آپ منوالیا ہے۔"

(Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah Papers, Vol VI, (1st Oct - 31 Dec 1947). page 101 Published by Ministry of Culture, Governent of Pakistan, Islamabad 2001

بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ 161)

اسی تعلق میں قائداعظم نے حسن اصفہانی صاحب کے نام اپنے خط مورخہ 11/ستمبر 1947ء میں لکھا: "ظفراللہ (نیویارک سے) واپس پہنچ گئے ہیں اور میری ان سے طویل گفتگو ہوئی ہے۔ واقعی انہوں نے اپنا کام عمدگی سے انجام دیا ہے۔"

(Quaid-i-Azam Mohammad Ali JInnah Papers,Vol. VI, (1 Oct-31Dec 1947) page 403, Published by Ministry of Culture, Governent of Pakistan, Islamabad 2001

بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ 162)

iii- وزیر خارجہ پاکستان کی حیثیت سے تقرّری:

ابھی اقوام متحدہ کا اجلاس جاری تھا کہ قائداعظم نے ظفراللہ خاں صاحب کو واپس بلوا بھیجا اور 22/اکتوبر 1947ء کو حسن اصفہانی صاحب کو لکھا:

"جہاں تک ظفراللہ خاں کا تعلق ہے تو ہم نہیں چاہتے کہ جب تک وہاں (اقوام متحدہ) پر ان کا قیام ضروری ہے وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر آجائیں۔......لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں قابل لوگوں خاص طور پر ان جیسی اعلیٰ صلاحیت کے اشخاص کی بہت کمی ہے اس لئے جب بھی ہمیں مختلف مسائل سے واسطہ پڑتا ہے تو ان کے حل کے لئے لامحالہ ہماری نظریں ان کی طرف اٹھتی ہیں"۔

(Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah Papers, Vol VI, Page 165, Published by Ministry of Culture, Govt of Pakistan, Islamabad 2001

بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ 233-232)

"اقوام متحدہ سے وفد کی واپسی پر آپ کو حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا آپ اس عہدہ پر سات سال تک فائز رہے۔"

(نوائے وقت لاہور 3 ستمبر 1985ء)

یہ تقرری قائداعظم کے یوم پیدائش یعنی 25 دسمبر 1947ء کو ہوئی۔ قائداعظم کے چوہدری ظفراللہ خاں صاحب پر اس اعتماد اور بھروسہ کے مجموعی ذکر پر مشتمل دو تحریریں درج ذیل ہیں:

اخبار 'نوائے وقت' لاہور نے جو اس تحریر کے وقت مسلم لیگ کا ترجمان شمار ہوتا تھا، قائداعظم کی زندگی میں اپنے اداریہ میں لکھا:

"جب قائداعظم نے یہ چاہا کہ آپ باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں تو ظفراللہ خاں نے فوراً یہ خدمات انجام دینے کی حامی بھرلی۔......اور اسے ایسی قابلیت سے سرانجام دیا کہ قائداعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو۔این۔او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابل احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا آپ نے ملک وملت کی شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائداعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو باعتبار منصب وزیراعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے۔ قائداعظم نے چوہدری صاحب کو بلا تامل پاکستان کا وزیر خارجہ بنا دیا۔"

(نوائے وقت لاہور 24اگست 1948ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 579-578)

معروف صحافی منیر احمد منیر نے اپنے کالم 'جگ ورتی' میں لکھا:

"ان کی تعریفیں تو وہ ہستی کرتی رہی جسے دنیا بانی پاکستان بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے مبارک القاب اور نام سے جانتی ہے سچائی جن کی پہچان تھی جنہوں نے کسی کا دل رکھنے کے لئے مصلحتاً بھی جھوٹ نہ بولا۔......قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں کو پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔......قیام پاکستان کے بعد......قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں کو پاکستان کی نمائندگی کے لئے U.N.O. میں بھیجا تھا جب قائداعظم نے امریکہ میں پاکستانی سفیر حسن اصفہانی کو لکھا کہ ظفراللہ کو واپس بھیج دیں تو اصفہانی صاحب نے پس وپیش کی اس پر 22/اکتوبر 1947ء کو اصفہانی کے نام اپنے خط میں یہ جملہ قائداعظم نے ہی ظفراللہ خاں کے لئے لکھا تھا کہ '...... یہاں ہمارے پاس اہل خاص طور پر ان جیسے مقام (Caliber) کے حامل افراد کی کمی ہے۔......یہی وجہ ہے کہ مختلف مسائل کے حل کے لئے ہماری نگاہیں بار بار ان کی طرف اٹھتی ہیں......'۔ ظفراللہ خاں کو پاکستان کا وزیر خارجہ بھی قائداعظم نے ہی

مقرر کیا تھا۔ قیام پاکستان سے کوئی بارہ برس قبل سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے بھرے اجلاس میں یہ جملہ بھی قائداعظم نے ہی ادا کیا تھا 'ظفراللہ خاں میرا سیاسی بیٹا ہے'۔''

(کالم مطبوعہ روزنامہ خبریں مورخہ 7جون2003ء
بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ 250-249)

iv-اقوام متحدہ میں پاکستان کے دوسرے وفد کی سربراہی:

قائداعظم نے اقوام متحدہ میں پاکستان کے دوسرے وفد کی سربراہی کے لئے بھی ظفراللہ خان صاحب کو مقرر فرمایا۔ اس غرض سے کئے گئے آپ کے یہ دستخط اس سبب یادگاری ہوگئے کہ یہ قائدِاعظم کے آخری دستخط تھے جو آپ نے کسی بھی سرکاری کاغذ پر کئے۔ جیسا کہ آپ کے اس وقت سکریٹری فرخ امین صاحب نے بیان کیا کہ

''بیماری کے پورے زمانے میں قائداعظم نے اس وقت تک سرکاری کاموں کا سلسلہ جاری رکھا جب تک ان میں ذرا بھی سکت باقی تھی۔۔۔ مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا جب انہوں نے یو۔این۔او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے سرمحمد ظفراللہ خاں کو پورے اختیارات دینے کے لئے آخری سرکاری دستخط کئے۔''

(زندہ قائداعظم از منظور حسین عباسی صفحہ 34 مطبوعہ مکتبہ شاہکار لاہور
بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا 252-251)

11۔ قائداعظم کی وفات پر جماعتی ردّعمل

قائدِاعظم کی وفات ایک سانحہ تھا۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح اور جماعت کے دیگر اکابرین نے اپنے دلی غم کا اظہار کیا۔

i۔ چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب آپ کے قریبی اور قابل اعتماد ساتھیوں میں سے تھے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ آپ ایک غیر از جماعت امام کے پیچھے قائد کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوسکتے تھے۔ اور اس علم کے باوجود کہ آپ کا نمایاں طور پر ایسا نہ کرنا ایک نئے اعتراض کو جنم دے گا۔ محبت کا یہی تعلق آپ کو کشاں کشاں جنازہ کے اس اجتماع میں لے گیا۔ آپ کا یہ طرزِعمل بہادری سے اصولوں پر ڈٹے رہنے کی ایک اعلیٰ مثال تھا۔ پریس میں چھپنے والی وہ تصویر جس میں آپ اکیلے غم و اندوہ کی تصویر بنے بیٹھے تھے اس موقع پر آپ کے دلی جذبات کی آئینہ دار تھی۔

ii۔ تاہم اس حادثہ پر اصل جماعتی اظہار وہ تعزیتی پیغام تھا جو حضرت مصلح موعودؓ نے جناب لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان کے نام بذریعہ تار ارسال فرمایا اور جس کا درج ذیل متن اخبار الفضل میں صفحہ اول پر جلی حروف میں شائع ہوا:

''میں پاکستان کے تمام احمدیوں کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر انتہائی رنج وغم کا اظہار کرتا ہوں۔ یہ نقصان اکیلے پاکستان کا ہی نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام کا مشترکہ نقصان ہے کیونکہ اس انتہائی نازک دور میں قدرتی طور پر تمام عالم اسلام کی نگاہیں امداد کے لئے پاکستان اور قائداعظم کی عظیم شخصیت کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ خدا تعالیٰ قائداعظم کے کام میں برکت ڈالے اور پاکستان اور تمام باشندگان پاکستان پر اپنا فضل نازل فرمائے۔ بڑے لوگ اپنے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہر سچا پاکستانی اپنی رہنمائی کے لئے آپ کے اصولوں کو پیش نظر رکھے گا۔ اور ذاتی خواہشات اور ذاتی مفاد سے بالا ہوکر اپنی زندگی کو از سرنو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کر دے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے احمدی پاکستان کو مضبوط اور طاقتور بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور اپنی طرف سے اس کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے۔ خدا تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔

مرزا بشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ رتن باغ لاہور'۔

(روزنامہ الفضل لاہور مورخہ 12ستمبر1948ء)

iii۔ وفات کے تیسرے دن روزنامہ الفضل میں حضرت خلیفۃ المسیح کے بھائی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا تحریر فرمودہ ایک مضمون بعنوان ''قائداعظم محمد علی جناح'' شائع ہوا جس کے چند جملے درج ذیل ہیں:

''گو قائداعظم کا جسد خاکی سپرد خاک ہو کر اپنے دنیوی دَورِ زندگی کو ہمیشہ کے لئے ختم کرچکا ہے مگر ان کی روح اپنے اچھے اور شاندار اعمال کے ساتھ زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔...... قائداعظم میں بہت سی خوبیاں تھیں مگر ان کا جو کام سب سے زیادہ نمایاں ہوکر نظر آتا ہے وہ یقیناً یہی ہے کہ ان کے ذریعہ مسلمانانِ ہندوستان سیاسی اتحاد کی لڑی میں پروئے گئے جو اس سے پہلے بالکل مفقود تھا......۔ مسلمانوں کے سیاسی اتحاد اور پاکستان کے وجود کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کا سب سے بڑا کام اور سب سے بڑا وصف ان کا عزم واستقلال تھا...... (وہ) ہمیشہ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور مسلمانوں کی کشتی کو نہایت عزم اور استقلال کے ساتھ چلاتے اور اردگرد کی چٹانوں سے بچاتے ہوئے منزل مقصود پر لے آئے۔

قائداعظم محمد علی جناح کا تیسرا نمایاں وصف ہر قسم کی پارٹی بندی سے بالا ہوکر غیرجانبدارانہ انصاف پر قائم رہنا تھا...... ان کے لئے صرف یہی ایک معیار قابل لحاظ تھا کہ ایک شخص کام کا اہل ہو اور یہ وہی زریں معیار ہے جس کی طرف قرآن شریف نے ...... توجہ دلائی ہے۔...... قائداعظم محمد علی جناح کی یہی بہترین یادگار ہوسکتی ہے کہ ان کے نیک اوصاف کو زندہ رکھا جائے۔''

(اخبار الفضل لاہور 14ستمبر1948ء)

iv۔ دسویں دن روزنامہ الفضل میں حضرت خلیفۃ المسیح کا تحریر فرمودہ ایک مضمون بعنوان ''مسلمانان پاکستان کے تازہ مصائب'' شائع ہوا جس سے چند روشن جملے بطور حرف آخر درج ذیل ہیں۔

''میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر جناح کی وفات کے بعد اگروہ (مومن) جو واقعہ میں ان سے محبت رکھتے تھے اور ان کے کام کی قدر پہچانتے تھے سچے دل سے یہ عہد کر لیں کہ جو منزل پاکستان کی انہوں نے تجویز کی تھی وہ اس سے بھی آگے اسے لے جانے کی کوشش کریں گے اور اس عہد کے ساتھ ساتھ وہ پوری تندہی سے اس کو نباہنے کی کوشش بھی کریں تو یقیناً پاکستان روز بروز ترقی کرتا چلا جائے گا اور دنیا کی مضبوط ترین طاقتوں میں سے ہوجائے گا۔''

(اخبار الفضل لاہور 21ستمبر1948ء بحوالہ انوار العلوم جلد20 صفحہ 555)

غرضیکہ مذکورہ بالا گیارہ پہلوؤں سے یہ جائزہ اس حقیقت کو پورے طور سے واضح کردیتا ہے کہ جماعت احمدیہ اور قائداعظم کے درمیان ہمیشہ انتہائی مخلصانہ دوستانہ تعلقات رہے۔ اکابرین جماعت اور افرادِ جماعت نے ہر اہم موقع پر قیام پاکستان اور استحکام پاکستان کے لئے بے لوث خدمات انجام دیں اور قائداعظم نے ان کو برملا سراہا۔

اَسماءُ القرآن

(قسط دوم)

(قمر داؤد کھوکھر)

(15) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'تصدیق' ہے جیسے فرمایا: وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ؛ اور اس قرآن کا اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے جھوٹے طور پر بنا لیا جانا ممکن نہیں ہوسکتا بلکہ یہ تو اس کلام کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے موجود ہے۔ (یونس:38)

تصدیق کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے؛ کسی کو سچا کہنے کے معنوں میں بھی اور اس کی بات کو پورا کرنے کے معنوں میں بھی۔ اس لحاظ سے قرآن گزشتہ انبیاء کی پیشگوئیوں کی تصدیق کرتا ہے اور حضرت آدم سے حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء پر نازل ہونے والے الہامی کلام کی تصدیق کرتا ہے۔ یا ان معنوں میں کہ اس کے مضامین سابقہ کتب الٰہیہ کے مطابق ہیں یعنی ان کے اصولِ دین اور قصص اوّلین صحیح اور سچ ہیں۔ قرآن کا تصدیق نام اس لئے بھی ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی کتب کی ان خبروں کو پورا کرنے والا ہے جو ان کی کتب میں موجود تھیں۔

قرآن کریم کن معنوں میں تصدیق ہے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی وضاحت میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''قرآن ایسی کتاب نہیں کہ انسان اس کو بنا سکے بلکہ اس کے آثار صدق ظاہر ہیں کیونکہ وہ پہلی کتابوں کو سچا کرتا ہے۔ یعنی کتب سابقہ انبیاء میں جو اس کے بارے میں پیشین گوئیاں موجود تھیں وہ اس کے ظہور سے بہ پایۂ صداقت پہنچ گئیں۔ اور جن عقائد حقہ کے بارہ میں ان کتابوں میں دلائل واضح موجود نہ تھیں ان کے قرآن نے دلائل بتلائے۔ اور ان کی تعلیم کو مرتبۂ کمال تک پہنچایا۔ اس طور پر ان کتابوں کو سچا کیا جس سے خود سچائی اس کی ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے نشان صدق یہ کہ ہر یک صداقتِ دینی کو وہ بیان کرتا ہے اور تمام وہ امور بتلاتا ہے کہ جو ہدایت کامل پانے کے لئے ضروری ہیں۔ اور یہ اس لئے نشانِ صدق ٹھہرا کہ انسان کی طاقت سے یہ بات باہر ہے کہ اس کا علم ایسا وسیع و محیط ہو جس سے کوئی دینی صداقت وحقائق دقیقہ باہر نہ رہیں۔

غرض ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ نے صاف فرمایا کہ قرآن شریف ساری صداقتوں کا جامع ہے۔ اور یہی بزرگ دلیل اس کی حقانیت پر ہے۔''

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد اول صفحہ:226)

(16) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'تفصیل' ہے جیسے فرمایا: وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ؛ بلکہ یہ تو اس کلام کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے موجود ہے اور کتاب کی تفصیل بیان کرتا ہے (یوسف:112)۔ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ؛ اور اس قرآن کا اللہ کے سوا کسی اَور کی طرف سے جھوٹے طور پر بنا لیا جانا ممکن نہیں ہوسکتا بلکہ یہ تو اس کلام کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے موجود ہے اور کتاب کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ (یونس:38)

کتاب بمعنی فرض وقدر وحکم سے ماخوذ ہے یعنی کتب الٰہیہ سابقہ کے حقائق و شرائع قرآن مجید تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ قرآن کا نام تفصیل اس لئے ہے کہ ہر ایک دینی ضرورت کو اس نے کھول کر اور واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ جیسے فرمایا کہ: وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا؛ اور ہم نے ہر ایک چیز کو خوب کھول کھول کر بیان کر دیا ہے (بنی اسرائیل:13)۔ اس آیت کے معنی بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ: ''اس کتاب میں ہر ایک علم دین کو بہ تفصیل تمام کھول دیا ہے۔''

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن، جلد اول، صفحہ:225 حاشیہ 11)

قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ؛ یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیات کو محکم کیا گیا ہے اور انہیں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ (ہود:2) اس آیت کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف کے اظہار کا سلسلہ قیامت تک کے لئے قائم کر دیا گیا ہے۔

قرآن تفصیل ان معنوں میں بھی ہے کہ اس میں تمام ممکنہ شرعی مسائل کے اصول تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ جیسے فرمایا: وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ؛ اور کتاب کی تفصیل بیان کرتا ہے (یوسف:112) اس طرح قرآن کریم نے شریعت کے اصول بیان فرما کر فروعی امور میں اجتہاد کا راستہ کھول کر امت مسلمہ پر احسان کیا ہے کہ حسب حالات وضروریات، وقت اور زمانہ اجتہاد سے کام لیا جائے۔

(17) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'حَبْلٌ' ہے جیسے فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا؛ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ (آل عمران:104)

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ؛ یعنی کتاب اللہ، اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت میں حَبْلُ اللّٰهِ هُوَ الْقُرْاٰنُ؛ کے الفاظ آئے ہیں یعنی حبل اللہ سے مراد قرآن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت علیؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (قرآن کریم کے بارہ میں) فرمایا کہ: یہ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے باحکمت ذکر ہے اور سیدھا وصاف راستہ ہے۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم باب فضائل القرآن)

عربی میں حبل سے مراد عہد بھی ہوتا ہے اور مطلقاً ہر وہ شے جو ذریعہ، سبب یا وسیلہ کا کام دے سکے۔ قرآن کریم کو حبل اللہ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ خدا کے قرب اور اس کی معرفت کا سب سے قوی ذریعہ ہے۔ قرآن کو رسّی سے اس لئے بھی تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام مومنوں کو باہم ملا کر ایک امت بناتا ہے۔

حبل نام رکھنے کا باعث یہ ہے کہ جو شخص مضبوطی کے ساتھ اس کو تھامے رہے گا وہ ہدایت یا جنت تک پہنچ جائے گا۔ حبل کے معنی جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے سبب یا ذریعہ کے بھی ہیں اور مراد اس سے یہ ہے کہ قرآن ایسی رسی ہے جو بندے کو اپنے ربّ سے ملاتی ہے۔ قرآن کو تھامنے سے انسان اپنے رب تک پہنچ سکتا ہے اور جو اسے مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے وہ اپنے مولا کریم سے ضرور ملتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ خود فرما کر یہ بتا دیا ہے کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور جو محفوظ کا دامن پکڑتا ہے وہ خود بھی

محفوظ ہوجاتا ہے۔اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر سب مومن مل کر اس قرآن کو پوری قوت کے ساتھ پکڑے رکھیں گے تو کوئی شیطان شرانگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ ایک روایت میں حضرت جابر بن مطعمؓ بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اس قرآن کی ایک جانب اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں اور ایک طرف تمہارے ہاتھ میں ہے پس اسے مضبوطی سے تھامے رکھو (اسے تھامنے کے) بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور نہ ہلاک ہوگے۔(طبرانی والمسند للبزار)

(18) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام ’حدیث‘ ہے جیسے فرمایا: فَلْيَأْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ ؛پس انہیں چاہیے کہ اس قسم کا کوئی کلام لے آئیں۔(الطور:35)

حدیث کا لفظ قدیم کی ضد ہے اور اس کے معنی جدید کے ہیں یعنی یہ قرآن اپنی نوعیت کا ایسا جدید کلام ہے جو ہر وقت تروتازہ ہے جیسے فرمایا: تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا؛ وہ ہر گھڑی اپنے ربّ کے حکم سے اپنا پھل دیتا ہے۔(سورۃ ابراہیم:26)۔اور عرف عام میں اس کے معنی کلام کے ہیں۔

(19) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام ’الحق‘ ہے جیسے فرمایا:اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ؛ یقیناً یہی سچا بیان ہے۔(آل عمران:63)

قرآن کریم حق ان معنوں میں ہے کہ یہ حقانیت کے ساتھ نازل ہوا ہے اور ضرورت حقہ کے وقت نازل ہوا ہے۔یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ یہ قرآن فی حد ذاتہٖ حق اور راست ہے یعنی سراسر سچائی ہی سچائی ہے جیسے فرمایا: وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ؛ اور وہی ان کے ربّ کی طرف سے حق ہے(سورۃ محمد:3)۔نیز فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ؛ اے انسانو ں یقیناً تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے حق آچکا ہے۔(سورۃ یونس:109) یہ مثبت انداز میں قرآن کو حق کہا گیا ہے کہ حق صرف یہی ہے اور کیسا حق ہے اس کی وضاحت اس آیت قرآنی میں بیان کی گئی: لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ؛ باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے(سورۃ حٰم السجدہ:43)۔یعنی یہ وہ کلام ہے کہ اس کے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں باطل نہیں پھٹک سکتا۔یہ حق ہی حق ہے اندر سے بھی اور باہر سے بھی۔اور ہر قسم کے باطل سے منزہ اور مبرّا ہے۔

قرآن ان معنوں میں بھی حق ہے کہ اس کے اعجاز نے رسول اللہ ﷺ کے نبیٔ برحق اور رسولِ برحق ہونے کو بدلائل ثابت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ؛ یقیناً یہ حقّ الیقین ہے(الواقعہ:96)۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ: ’’قرآن متقیوں کو وہ سارے امور یاد دلاتا ہے جو ان کی فطرت میں مخفی اور مستور تھے اور یہ حق محض ہے جو انسان کو یقین تک پہنچاتا ہے۔‘‘(تفسیر مسیح موعودؑ، جلد4 صفحہ 312)

(20) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام ’حکم‘ ہے۔فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا؛ اور اسی طرح ہم نے اسے ایک مفصل حکم کی صورت میں اتارا ہے۔(الرعد:38)

کسی چیز کے متعلق فیصلہ کرنے کا نام حکم ہے۔قرآن کریم کو جب حُکْماً فرمایا گیا تو اس کے معنی واضح اور فصیح کتاب کے ہیں جو حق کو ثابت کرے اور باطل کو غلط ثابت کر کے دکھائے۔ان معنوں کی وضاحت آیت قرآنی سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ؛ یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیات کو محکم کیا گیا ہے(سورۃ ھود:2)۔یعنی اس کی آیات اتنی مضبوط اور مستحکم ہیں کہ ان میں لفظاً یا معناً کسی طرح بھی نقص و خلل نہیں پڑ سکتا اور ہر قسم کے تغیر سے محفوظ ہیں۔یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی آیات حکمتوں سے محکم ہیں۔

(21) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام ’حکمۃ‘ ہے جیسے فرمایا: حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ؛ کمال تک پہنچی ہوئی حکمت تھی پھر بھی انذار کسی کام نہ آئے۔(القمر:6)

حکمۃ نام کی وجہ یہ ہے کہ قرآن ہر شئی کو اس کے موقعہ اور قرینہ پر رکھنے کے معتبر قانون کے ساتھ نازل ہوا ہے یا اس لئے کہ وہ حکمت پر مشتمل ہے اور حکمت سے بھرا ہوا ہے اور انتہائی درجہ کی حکمت ہے۔سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ:’’میں نے اس کلام کو جس کا نام قرآن ہے نہایت درجہ تک پاک اور روحانی حکمت سے بھرا ہوا پایا۔‘‘(سناتن دھرم، روحانی خزائن، جلد19 صفحہ 475)

ایک دوسرے مقام پر حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ:’’وہی معارف دقیقہ ہیں جن کو فرقان مجید میں حکمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا؛ یعنی خدا جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے۔اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی ہے۔یعنی حکمت خیر کثیر پر مشتمل ہے اور جس نے حکمت پائی اس نے خیر کثیر کو پالیا۔سو یہ علوم و معارف جو دوسرے لفظوں میں حکمت نام سے موسوم ہیں یہ خیر کثیر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بحر محیط کے رنگ میں ہیں جو کلام الٰہی کے تابعین کو دیئے جاتے ہیں۔‘‘

(براہین احمدیہ، حاشیہ درحاشیہ 3، روحانی خزائن، جلد اول صفحہ 533)

(22) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام ’حکیم‘ ہے جیسے فرمایا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ؛ یہ کامل اور پُر حکمت کتاب کی آیات ہیں۔(یونس:2)

قرآن مجید کا حکیم نام اس لئے ہے کہ اس کی آیتیں عجیب خوبیٔ ترتیب اور نادر معانی کے ساتھ محکم اور مستحکم بنائی گئی ہیں جیسے فرمایا کہ: اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ؛ اس کی آیات کو محکم کیا گیا ہے(ھود:2)۔اس طرح یہ قرآن کسی تبدیلی، تحریف اور اختلاف کے اس میں راہ پانے سے محفوظ بنایا گیا ہے۔یہ نام اس لئے بھی ہے کہ قرآن احکام کی حکمت بھی بتاتا ہے۔قرآن ان معنوں سے بھی حکیم ہے کہ یہ حکمت کی باتوں پر مشتمل ہے، جامع علوم حکمیہ ہے اور حکمت سے بھرپور ہے۔

قرآن کو حکیم کہنے میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ یہ کتاب تمام کتب کی حاکم ہے ان معنوں میں کہ ان سابقہ کتب کے جملہ احکام و شرائع کو منسوخ کرتی ہے اور خود یہ ایسی کتاب ہے کہ جسے کوئی اور دوسری کتاب منسوخ نہیں کر سکتی۔

(23) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام ’خیر‘ ہے جیسے فرمایا: وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا؛ اور جب ان لوگوں سے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے کہا گیا کہ تمہارے ربّ نے کیا اتارا ہے تو انہوں نے کہا یہ تو خیر ہی خیر ہے۔(النحل:31)

خیر کے معنی کثیر مال اور ثواب کے کیے جاتے ہیں۔قرآن ان دونو معنوں کے لحاظ سے خیر ہی خیر ہے یا خیر اس کو بھی کہتے ہیں جو سب کو مرغوب ہو۔

قرآن کریم کے خیر نام سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ:’’خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کا نام مال رکھا ہے اور حکمت کا نام بھی مال رکھا ہے۔جیسا کہ فرماتا ہے يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا؛ (وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے۔اور جو بھی حکمت دیا جائے تو یقیناً وہ خیر کثیر دیا گیا۔سورۃ البقرہ:270)۔مفسر لکھتے ہیں کہ اس کے معنے ہیں مالاً کثیراً، لغت میں خیر

کے معنے مال کے لکھے ہیں۔'' (تفسیر مسیح موعودؑ جلد 1 صفحہ 763)

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر بھی قرآن کو خیر قرار دیا گیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آیت میں قرآن کو پہلے موعظہ، شفاء، ہدایت، اور رحمت قرار دیا اور اس سے اگلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ؛ تو کہہ دے کہ (یہ قرآن) محض اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے پس اس پر چاہئے کہ وہ بہت خوش ہوں۔ وہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (یونس:59)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ: ''ان کو کہہ دے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے یہ قرآن ایک بیش قیمت مال ہے سو اس کو تم خوشی سے قبول کرو، یہ ان مالوں سے اچھا ہے جو تم جمع کرتے ہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم و حکمت کی مانند کوئی مال نہیں۔ یہی وہ مال ہے جس کی نسبت پیشگوئی کے طور پر لکھا تھا کہ مسیحؑ دنیا میں آکر اس مال کو اس قدر تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔ یہ نہیں کہ مسیحؑ درم و دینار کو جو مصداق آیت: اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ (التغابن:16) ہے جمع کرے گا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دے کر فتنہ میں ڈال دے گا۔ مسیحؑ کی پہلی فطرت کو بھی ایسے مال سے مناسبت نہیں۔ وہ خود انجیل میں بیان کر چکا ہے کہ مومن کا مال درم و دینار نہیں بلکہ جواہر حقائق و معارف اس کا مال ہیں۔ یہی مال انبیاءؑ خدائے تعالیٰ سے پاتے ہیں اور اسی کو تقسیم کرتے ہیں۔ اسی مال کی طرف اشارہ ہے: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ ھُوَالْمُعْطِی (یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو اللہ ہی ہے۔ ترجمہ از مؤلف) (ازالہ اوہام، صفحہ 656-657)

ایک مقام پر یہی مضمون حضور علیہ السلام نے یوں بیان فرمایا: ''جیسا کہ خدا نے مخاطب کر کے فرمایا کہ اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ: تمام قسم کی بھلائیاں قرآن ہی میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔'' (کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19 صفحہ 27)

روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابیؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے نکاح کر لیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے پاس مال نہیں اس لئے نکاح نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا قُلْ ھُوَاللّٰہ یاد نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو یاد ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن تو یہ ہو گیا۔ پھر فرمایا کیا قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ؛ یاد نہیں؟ صحابیؓ نے جواب دیا وہ بھی یاد ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا۔ پھر پوچھا کہ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا بھی یاد ہے؟ جواب دیا ہاں یہ بھی یاد ہے، فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا۔ کیا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ بھی یاد ہے؟ صحابیؓ نے جواب دیا کہ یہ بھی یاد ہے۔ فرمایا: چوتھائی یہ۔ پھر فرمایا کیا آیت الکرسی یاد ہے؟ ہاں یہ بھی یاد ہے۔ پھر فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہو گیا۔ (مسند احمد، تفسیر ابن کثیر)

(24) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'رحمۃ' ہے۔ جیسے فرمایا: وَھُدًی وَ رَحْمَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ؛ اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ (یونس:58 والجاثیہ:21)

قرآن کریم کو رحمۃ نام اسلئے دیا گیا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا بیان اس کے غضب کی صفات سے زیادہ ہے۔ اس لئے تاثیر رحمت الٰہی، بندوں کے حق تاثیر عذاب سے زیادہ ہے۔ یعنی اگر اللہ کے بندے عذاب کے مستحق بھی ہوں تو بھی اس کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ: سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ؛ کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

قرآن رحمت ان معنوں میں بھی ہے کہ مومن اور نیک عمل کرنے والوں کو عذاب سے نجات دلا کر رحمت خداوندی کا مورد بناتا ہے۔

(25) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'روح' ہے جیسے فرمایا: وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا؛ اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے کلام نازل کیا ہے۔ (الشوریٰ:53)

قرآن کریم کا نام روح رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح روح سے جسم میں جان پڑتی ہے اسی طرح قرآن کے ذریعہ دل و جان کو حیات تازہ ملتی ہے اور مُردہ دل قرآن سے زندہ ہو جاتے ہیں۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک سے حیات اخروی ملتی ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ قرآن کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو رفعت و منزلت حاصل ہوئی اسی طرح جس کے اندر آپؐ یہ روح ڈال دیں گے وہ بھی بلند ہوتا چلا جائے گا۔ قرآن ان معنوں میں روح خداوندی ہے کہ جس کی نوعیت علم و کمال ہے۔ روح ایک باطنی چیز ہے جو انسانی جسم کی زندگی ہے۔ صرف جسم انسانی کی کوئی زندگی نہیں اصل زندگی روح کی ہے۔ اس کی وجہ سے جسم انسانی بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ جس دن روح جسم کو چھوڑتی ہے جسم بھی فنا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن روح باقی رہتی ہے۔ موت کا یہ حاصل ہے کہ بدن کھانے پینے کے قابل نہ رہا اس کے بالمقابل روح کو غذا یہاں بھی مل رہی ہے وہاں بھی مل رہی ہے۔ یہاں بھی اس کی غذا علم و معرفت تھی اور برزخ میں بھی اس کی غذا علم و معرفت ہی ہے۔ اور جنت میں بھی اس کی غذا اعلیٰ سے اعلیٰ علم و معرفت ہی ہوگی۔

پس جب قرآن کو روح قرار دیا گیا تو دراصل وہ روح خداوندی ہے، ایک سرچشمہ حیات ہے۔ یہ روح خداوندی (وحی الٰہی) رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو اس کے بعد آپؐ افصح العرب والعجم مانے گئے حالانکہ اس سے قبل آپؐ اُمّی محض تھے، نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی نہ کسی سے ایمان کی باتیں سیکھیں، جب یہ روح خداوندی (وحی الٰہی اور قرآن) عربوں میں پہنچی تو وہ قوم زندہ ہو گئی۔ جب یہ روح اہل مکہ میں داخل ہوئی تو وہ عالموں سے بڑھ کر عالم ہو گئے اور عارفوں سے بڑھ کر عارف باللہ ہو گئے۔ جو لوگ انسانوں کے عبد بنے ہوئے تھے وہی عباد اللہ بن گئے۔ جن کا نام نزول قرآن سے پہلے جہلاء عرب تھا ان کا نام صحابہؓ رسولؐ ہو گیا۔ پہلے ان کا ذکر بھی نہ تھا اب ان کو رضی اللہ عنہ کے اعزاز کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ نزول قرآن سے پہلے جو زمانہ جاہلیت تھا اس کا نام خیر القرون قرار پایا۔ زمان و مکان بھی اس قرآن سے زندہ ہوئے اور افراد یعنی عوام و خواص بھی اس سے زندہ جاوید ہو گئے اور دنیا کو زندگی دینے والے بن گئے۔

پس قرآن کو روح قرار دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ قرآن زندگی ہے اور جس قوم میں یہ سرایت کر جائے وہ زندہ ہو جائے گی اور جس سے یہ نکل جائے گا وہ مردہ ہو جائے گی۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک مسلمانوں میں یہ روح قرآن باقی رہی وہ خود بھی زندہ ہوئے دنیا میں بلند و بالا ہوئے اور دوسروں کو بھی زندگی دینے والے بن گئے اور جس دن یہ روح نکلی اس دن سے مسلمان ذلت کا شکار ہیں۔

(26) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'زبور' ہے جیسے فرمایا: وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ؛ اور ہم نے زبور میں یہ لکھ چھوڑا ہے۔ (الانبیاء:106)

ہر وہ کتاب جو جلی اور موٹے حروف میں لکھی ہوئی ہو اسے زبور کہا جاتا ہے۔زبور کتب الٰہیہ میں سے ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس پر واقفیت دشوار ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زبور اس کتاب کو کہتے ہیں جو صرف حِکَمِ عقلیہ پر مشتمل ہو اور اس میں احکام شرعیہ نہ ہوں۔ چنانچہ حضرت داوٗدؑ کی زبور میں کوئی حکم شرعی نہیں ہے۔ جبکہ الکتاب اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں احکام و حِکَم دونوں موجود ہوں۔

(27) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'شفاء' ہے جیسے فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ ؛ اور ہم قرآن میں سے آہستہ آہستہ وہ تعلیم اتار رہے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء ہے۔(بنی اسرائیل:83)

قرآن شفاء ان معنوں میں ہے کہ اپنی خاصیت اور تاثیر سے تمام بیماریوں کو دُور کر دیتا ہے خواہ وہ روحانی ہوں یا نفسانی۔ شفاء نام کی وضاحت ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ: وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ؛ (یہ قرآن) سینوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے(یونس:58)۔یعنی دل کی بیماریوں کفر و نفاق اور جہالت سے شفا بخشتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ قرآن نفسیاتی بیماریوں کے لئے بھی شفاء ہے۔

(28) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'صحف' ہے جیسے فرمایا: فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ؛ یہ قرآن عزت والے صحیفوں میں ہے۔(العبس:14)

قرآن کریم کے لئے صحیفہ کی بجائے اس کی جمع صحف بیان کی گئی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن میں کتب سابقہ کے مقابلہ میں بہت سے زائد احکام اور اوامر بیان فرمائے گئے ہیں۔

(29) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'صدق' ہے جیسے فرمایا: وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ ؛ اور وہ شخص جو اللہ کی طرف سے سچی تعلیم لائے(الزمر:34)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صدق نام کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ:

''قرآن کریم تمام صداقتوں کا مجموعہ اور صدق تام ہے۔''(ملفوظات جلد اول،صفحہ:415)

ایک دوسرے مقام پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:''قرآن کل دنیا کی صداقتوں کا مجموعہ ہے اور سب دین کی کتابوں کا فخر ہے۔''(ملفوظات،جلد2 صفحہ126)

(30) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'اَلصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ' ہے جیسے فرمایا: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْماً فَاتَّبِعُوْهُ ؛ اور یقیناً یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اس کی پیروی کرو۔(الانعام:154)

حضرت علیؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (قرآن کریم کے بارہ میں) فرمایا: یہ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے باحکمت ذکر ہے اور سیدھا وصاف راستہ ہے۔(ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح،کتاب الصوم باب فضائل القرآن)

قرآن کریم کا نام اَلصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ اس لئے ہے کہ قرآن بلا کسی خم و پیچ کے سیدھا جنت کا راستہ ہے۔اللہ رب العزۃ تک پہنچانے کا راستہ ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ:''سب سے سیدھی راہ اور بڑا ذریعہ جو انوار یقین اور تواتر سے بھرا ہوا اور ہماری روحانی بھلائی اور ترقی علمی کے لئے کامل رہنما ہے قرآن کریم ہے۔''(ازالہ اوہام،روحانی خزائن جلد3 صفحہ 381)

(31) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'عجباً' بھی ہے جیسے فرمایا:اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰناً عَجَباً يَّهْدِيْ ؛ یقیناً ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف لے جاتا ہے۔(الجن:2-3)

حکماء نے بھی کہا ہے کہ عجب یا تعجب اس حیرت کو کہتے ہیں جس کا سبب معلوم نہ ہو۔ ہر وہ بات جس سے تعجب پیدا ہوتا ہوا سے عجیب کہا جاتا ہے۔اسی طرح ہر وہ چیز جو عام طور پر دیکھی نہ جاتی ہو اسے بھی عجیب کہا جاتا ہے۔جب قرآن کے لئے یہ لفظ آیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس قرآن کا نہ سبب معلوم ہے اور نہ اس جیسا قرآن اور کلام پہلے دیکھا ہے۔سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اس ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''قرآن شریف وہ کتاب ہے جس نے اپنی عظمتوں اپنی حکمتوں اپنی صداقتوں اپنی بلاغتوں اپنے لطائف و نکات اپنے انوار روحانی کا آپ دعویٰ کیا ہے اور اپنا بے نظیر ہونا آپ ظاہر فرمادیا ہے۔''(براہین احمدیہ،روحانی خزائن،جلد اول،صفحہ662 حاشیہ 11)

(32) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'عدل' ہے جیسے فرمایا: وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلاً ؛ اور تیرے ربّ کی بات حق وانصاف کے ساتھ پوری ہو کر رہے گی۔(الانعام:116)

(33) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'عربیٌ' ہے جیسے فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰناً عَرَبِيّاً ؛ یقیناً ہم نے قرآن کو اتارا ہے جو اپنے مطالب کو خوب واضح کرنے والا ہے۔(یوسف:3،طٰہٰ:114،الزمر:29،حٰم السجدہ:4،الشوریٰ:8،الزخرف:4)

قرآن عربی ہے یعنی عرب پر نازل ہوا تا کہ عرب کے لوگ اس کے اعجاز کو سمجھیں اور انہیں یقین ہو کہ یہ کلام بشر کی حد سے باہر ہے۔عربی نام کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ قرآن کثیر المعانی ہونے کی وجہ سے مضامین کو واضح کرنے والی اور پُر معانی کتاب ہے۔ اور ایسی کتاب ہے جو اپنے مطالب کو بڑی وضاحت کے ساتھ اور مدلّل طور پر بیان کرنے والی ہے کہ اس کا سمجھنا بھی آسان ہوگا۔عربی کے ایک معنی یہ بھی کیے جاتے ہیں کہ قرآن اپنے سے پہلے کی کتابوں کے احکام کو منسوخ کرنے والا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قرآن عربی نبی ﷺ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے عربی ہے۔حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی تصنیف ''منن الرحمان'' میں فرمایا ہے کہ:''قرآن پہلی کتابوں کی ماں ہے۔''(تفسیر مسیح موعودؑ،جلد:4 صفحہ:98)

(34) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'عُرْوَةُ الْوُثْقٰى' ہے جیسے فرمایا: فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؛ تو اس نے ایک نہایت مضبوط قابل اعتماد چیز کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔(البقرہ:257)

(35) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'عزیز' ہے جیسے فرمایا: وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ؛ اور وہ یقیناً بڑی عزت والی کتاب ہے۔(حم السجدہ:42)

عزیز نام اس لئے ہے کہ جو بھی اس کا مقابلہ اور معارضہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس پر وہ دشوار گزرتا ہے اور چونکہ لفظ عزیز میں غلبہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اس لئے قرآن مقابلہ کے وقت غالب آتا ہے۔عزیز نام سے یہ بھی مراد ہے کہ یہ ایک ایسے عالی مرتبہ کی اور عزت والی کتاب ہے کہ اس جیسی کتاب کا کہیں سے حاصل کرنا اور پایا جانا نہایت دشوار ہے۔اور یہ معنی بھی ہیں کہ قرآن ایک نادر کتاب ہے۔

(36) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'عظیم' ہے جیسے فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ؛ اور ہم نے یقیناً تجھے سات دہرائی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن دیا ہے۔(الحجر:88)

(اس مضمون کی آخری قسط آئندہ شمارہ میں پیش کی جائے گی)

نوبل انعام یافتہ رابندرناتھ ٹیگور کے ادب پر اسلام کا اثر

قسط دوم

مفیض الرحمٰن (بوسنیا) ۔ شیخ فضل عمر (انگلینڈ)

احمدی مبلغ کی ٹیگور سے لنڈن میں ملاقات

مبلغ احمدیت حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیالؓ نے 1921ء میں ٹیگور کے لنڈن کے قیام کے دوران ان کے مکان پر جا کر اُن سے ملاقات کی۔ آپؓ تحریر فرماتے ہیں کہ ٹیگور صاحب اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کی سرزمین کو ایک نبی اللہ کی بعثت سے مشرف فرمایا۔ ٹیگور صاحب بنگال میں ایک ایشیا کے لئے بین الاقوامی یونیورسٹی قائم کر رہے ہیں تا کہ ایشیا بھی یورپ کی طرح ایک اجتماعی رنگ میں اپنے علوم وفنون کا اظہار کر سکے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ لوگ بھی اس یونیورسٹی میں ایک پروفیسر قائم کریں۔ تا کہ آپ لوگوں کے خیالات سے بھی طالب علموں کو پوری پوری واقفیت ہو سکے......

ہندو مسلم اتحاد اور ٹیگور

ہندو مسلم اتحاد کے لئے ٹیگور نے گراں قدر کوشش کی تا کہ ایک عظیم قوم کا قیام عمل میں آئے۔ نیز جب بھی ہندو مسلمان فسادات ہوئے تو ٹیگور نے ہمیشہ عوام کے اشتعال کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اخبارات میں مضامین شائع کئے۔ ایک موقع پر ہندوؤں اور مسلمانوں سے یوں درخواست کی کہ انگریزوں کے اشارہ پر آپس کی الزام تراشی میں ملوث نہ ہوں بلکہ بے جا انسانی خون نہ بہنے کی خاطر یہ مدِّنظر رکھ کر کہ وہ ایک ہی ماں کی اولاد ہیں آپس میں صلح کر لیں۔

لہٰذا ٹیگور کا اسلام کو ایک عظیم مذہب کے نام سے موسوم کرنا، اسلامی تعلیم کی کشش کو محسوس کرنا، اشاعت اسلام کے طریق کو سراہنا، مسلمانوں کی عالمی اتحاد و اخوت کا قائل ہونا، اسلام اور بانی اسلام کو خراج تحسین پیش کرنا، مسلمانوں کے دشمنوں سے حسن سلوک کے واقعہ کو اپنی تحریر میں درج کرنا، الازہر کی تعریف کرنا، شانتی نیکیتن کی لائبریری میں اسلامی لٹریچر رکھنا، وہاں اسلامی تعلیم کے لئے نئی شاخ کا اجراء کرنا اور حضرت فتح محمد صاحب سیالؓ کو وہاں پروفیسر لگانے کی خواہش کا اظہار کرنا، اپنی مسلمان رعایا سے محبت وشفقت کا سلوک کرنا، ہنگرین نومسلم کو اسلام پر لیکچر دینے کیلئے بلانا، اور زندگی بھر ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشش کرتے رہنا یہی ثابت کرتا ہے کہ ٹیگور کا اسلام سے ایک گہرا تعلق ضرور تھا۔

ٹیگور کے بین الاقوامی اسفار

ٹیگور کو سفر کا بہت شوق تھا اور انہوں نے قریباً 30 ممالک کا سفر اختیار کیا جن میں چین، جاپان، امریکہ، برطانیہ، ہنگری، جرمنی، اٹلی، رومانیہ، مصر، عراق، ایران، سری لنکا، کینیڈا، یوگوسلاویہ، یونان، مقدونیہ، ترکی وغیرہ ممالک شامل ہیں۔

ٹیگور نے 1926ء میں مصر کا دورہ کیا۔ 1932ء میں رضا شاہ کی دعوت پر ایران گئے اور بوشہر، شیراز، اصفہان اور تہران میں مذہبی، سیاسی، ادبی اور عام عوام سے ملاقاتیں کیں لیکن دراصل 70 سال کی عمر میں یہ سفر اختیار کرنے کے پس پردہ حافظؔ اور سعدیؔ کی کشش تھی۔ چنانچہ اپنے چار ہفتے کے سفر میں سے ایک ہفتہ وہ شیراز میں مقیم رہے جہاں حافظ اور سعدی مدفون ہیں۔ سعدی کے قبر کی زیارت کے موقع پر ٹیگور نے وہاں موجود لوگوں سے کہا کہ: آپ کے آباؤاجداد میں جو صوفی، شاعر اور ادیب گزرے ہیں مَیں انہی میں سے ہوں، صرف نئے دَور کی زبان لے کر آیا ہوں، اس لئے آپ سب کا مجھے قبول کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

ٹیگور لکھتا ہے کہ حافظ کے مزار کے پاس بیٹھے ہوئے میں نے اپنے دل میں روشنی کی ایک چمک محسوس کی۔......دل میں گزرا کہ ہم دونوں ایک ہی میخانہ کے ساتھی ہیں۔ کئی بار مختلف قسم کی شراب کے پیالے ہم نے بھرے ہیں۔ مَیں بھی تو کئی بار مذہب کے پوست کی چادر اوڑھنے والوں کی نفرت کا شکار ہوا ہوں۔ مگر وہ اپنی باتوں کے طلسم میں مجھے باندھ نہ سکے۔ میں وہاں سے فرار ہو گیا اور دائمی بہنے والی مسرت نسیم میں جا کر پناہ لی۔ یقین کے ساتھ دل میں یہ گزرا کہ آج کتنی صدیوں بعد زندگی اور موت کے فاصلہ کو ختم کرتے ہوئے اس مزار کے پاس ایک ایسا مسافر آ کھڑا ہوا ہے جس سے حافظ کو ہمیشہ کی شناسائی تھی۔

ایران کے سفر سے واپسی پر ٹیگور بغداد گیا اور بادشاہ فیصل سے ملاقات کی۔ اُسے عرب ممالک میں ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اس کا 150 سالہ یوم ولادت کئی عرب ممالک میں شاندار طریق سے منایا گیا۔

ٹیگور کو نوبل انعام ملنے پر عرب دنیا نے پُرتپاک انداز میں مبارکباد پیش کی تھی۔ مصر، لبنان اور دیگر عرب ممالک کے اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ ٹیگور پہلا ایشین شخص تھا جس کو یہ اعزاز حاصل ہوا تھا۔ مصر کے اخبارات الاحرام، الہلال، صوت الشرق اور الجنان وغیرہ میں اُس کے بارہ میں مضامین شائع ہوئے۔

ایک لبنانی مصنف (جس نے عمر خیام کی رباعیات کا فارسی سے عربی ترجمہ کیا تھا) 1933ء میں کلکتہ آیا اور ٹیگور کے ہاں دو دن کے لئے مقیم ہوا۔ یہ شخص ٹیگور کی مہمان نوازی اور اخلاق سے اتنا متأثر تھا کہ اس نے ٹیگور کو زمینی فرشتہ کے لقب سے ملقب کیا۔ ٹیگور کے بارہ میں اُس کا ایک شاندار مضمون الہلال 1916ء میں شائع ہؤا۔ بعدازاں البستانی نے پہلی بار گیتا نجلی کا عربی ترجمہ کیا۔

ٹیگور نے 1926ء میں مصر کا سفر اختیار کیا تھا اور 27 نومبر کو الحمراء میں ہستی باری تعالیٰ کے بارہ میں تقریر کی۔ اسی طرح 29 نومبر کو قاہرہ میں مغرب ومشرق کے فلسفہ میں اختلاف کے عنوان پر تقریر کی۔ نیز الزہرہ میں محبّ الدین الخاطب نے ٹیگور کے عنوان پر ایک جامع مضمون شائع کیا۔ اس سفر میں شاہ فہد نے ٹیگور کو عرب کی تاریخ اور ثقافت سے متعلق کتاب پیش کر کے اس کو شانتی نیکیتن کی لائبریری میں رکھنے کی درخواست کی۔ پھر ٹیگور نے جامعہ الازہر کا دورہ بھی کیا تھا۔

مؤاخات کا نظام

ٹیگور نے ہندو مسلم اتحاد کی ایک معاشرتی رسم کے ذریعہ بھی کوشش کی۔ اس نے رکھشہ بندھن (مؤاخات) کی رسم جاری کی کہ ہندو مسلم و دیگر مذاہب کے پیروکار مقررہ دن ایک دوسرے کے ہاتھ میں اخوت کا دھاگہ باندھیں۔ اور یہ موٹو ہو کہ بھائی بھائی مرحبا، تفرقہ الوداع۔

مسلمانوں کے ساتھ منفی تعلقات کے اسباب

1۔ ہندوؤں کی مفاد پرستی کا ذکر کرتے ہوئے ٹیگور لکھتا ہے کہ سنسکرت زبان کا مقولہ ہے کہ جب گھر آگ کی لپیٹ میں آجائے اس وقت کنواں کھودنا بیکار ہے۔ چنانچہ تقسیم بنگال کے دنوں میں مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کی ضرورت پیش آئی تو اُس وقت ہم نے کنواں کھودنے کی کوشش بھی نہیں کی۔......

2۔ ہندوؤں کی مسلمانوں سے نفرت کے ذکر میں ٹیگور لکھتا ہے کہ ہم نے اپنے معاشرہ میں ہندو مسلم اختلاف کو کچھ ایسا بے آبرو کیا ہوا ہے کہ کچھ عرصہ قبل آزادیٔ ملک کی تحریک کے جلوس میں ایک ہندو نے ایک گلاس پانی پینا تھا تو اُس نے بلا جھجک اپنے ایک مسلمان ساتھی کو صحن سے اترنے کے لئے کہا۔

3۔ مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کی ذمہ داری کے حوالہ سے ٹیگور نے لکھا کہ ہم نے مسلمانوں کو سکولوں میں، دفتروں میں اور دیگر مقابلوں میں بہت پیچھے دھکیل دیا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ رویّہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا اثر جسم پر ہوتا ہے دل پر نہیں مگر معاشرتی بے عزتی کا اثر دل پر ہوتا ہے جسم پر نہیں۔ جبکہ معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ آپسی اختلاف پر دیدہ زیب اتحاد کی چادر ڈال دے۔

ایک دوسری جگہ لکھا: بنگال میں ادنیٰ سطح کے لوگوں میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ تہذیب یافتہ ہندو معاشرہ نے ان لوگوں کو دل سے نہیں اپنایا۔

4۔ تقسیم بنگال کے حوالہ سے ایک جگہ لکھا کہ: تقسیم بنگال کا مسئلہ ہمارے کھانے اور پینے پر اثر انداز نہیں ہوا بلکہ ہمارے دلوں پر حملہ آور ہوا تھا،...... بنگال کے مسلمانوں کا ہمارے اس درد میں شامل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے ساتھ ہم نے اپنے دلوں کو کبھی ایک ہونے نہیں دیا۔

5۔ ٹیگور کے مطابق ہندوستان میں مذہبی رواداری کا نعرہ جھوٹا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بہار میں مسلمانوں کو ہندوؤں نے اپنے ظلم کا نشانہ بنایا۔ دیگر ممالک میں بھی فرقہ وارانہ فسادات کی باتیں سننے کو ملتیں ہیں۔مگر ہمارے ملک میں جو فسادات ہوتے ہیں اس کی بِنا مذہب پر ہے۔

گائے کا مسئلہ

گائے کو ذبح کرنے سے متعلق ٹیگور نے کئی بار قلم اٹھایا۔ ایک جگہ لکھتا ہے: اگر (ہندوؤں کے) کسی خاص شرعی قانون کے تحت کسی خاص جانور کا قتل نہ کرنا ہی مذہب کی تعریف ہے اور اسی قانون کو جبراً کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں پر چسپاں کرنے کی کوشش کی جائے، تو اس صورت میں انسان کا آپس کا اختلاف کسی زمانہ میں بھی دُور نہیں ہوسکتا۔

ایک دوسری جگہ لکھا: میری رعایا کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ جب ملک میں قربانی کا مسئلہ گرم تھا، اس وقت میری ہندو رعایا نے مجھے اسے مکمل طور پر بند کرنے کی شکایت کی۔ اس شکایت کو میں نے جائز نہیں سمجھا، مگر مسلمان رعایا کو یہ ہدایت دی کہ یہ کام ایسے طریق پر انجام دو جس سے ہندو کی بے وجہ دلشکنی نہ ہو۔ مسلمانوں نے فوراً اس کو تسلیم کرلیا اور تب سے اب تک پھر کوئی شکایت نہیں آئی۔

ایک بار ٹیگور نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا: انسان کو قتل کرنے پر رہائی ہوجاتی ہے مگر گائے قتل کرنے سے رہائی نہیں ملتی۔

مسلمان بچوں کی تعلیم

ٹیگور نے نظام تعلیم کے حوالہ سے لکھا: بنگلہ سکولوں میں پڑھائی جانے والی کتابیں خصوصاً ہندو طلباء کو مدنظر رکھ کر تیار کی جاتی ہیں، اگرچہ کئی علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس بارہ میں کوئی شک نہیں کہ یہ معاملہ غور کرنے کے لائق ہے۔ اس صورت حال کی اصل وجہ یہ ہے کہ اب تک سکولوں میں ہندو طلباء کی تعداد زیادہ تھی اسی طرح مسلمان مصنفین نے خالص بنگلہ ادب کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ مگر مسلسل مسلمان طلباء کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے اور خالص بنگلہ لکھنے والے مسلمان مصنفین کی بھی کمی نہیں ہے۔ پس مسلمان طلباء کو زیرغور لاتے ہوئے تدریسی کتب تالیف کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

مزید لکھتا ہے کہ: جدید دور کی تعلیم کی طرف بروقت توجہ نہ دینے کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں کی نسبت بہت سارے معاملات میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان معاملات میں انہیں برابری حاصل کرنی ہوگی۔ مسلمان ہندوؤں کی نسبت اس فرق کو دُور کرنے کے لئے ہر معاملہ میں زیادہ حق طلب کررہے ہیں۔ ان کی اس حق طلبی پر ہماری طرف سے دلی اتفاق کا اظہار ہونا چاہئے۔ رتبہ، مرتبہ، تعلیم کے لحاظ سے ان کا ہندوؤں کے برابر ہوجانا ہندوؤں کے لئے ہی بہتر ہے۔

اسلام کی اصل تعلیم سے آگاہی کا فقدان

1۔ ٹیگور نے اصل اسلامی تعلیم و تاریخ کو مسخ کرکے پیش کرنے کا ملزم انگریز کو قرار دیا۔ وہ لکھتا ہے کہ انگریز مصنف ہندو و مسلمانوں کے مذہبی امور کے بارہ میں جو کچھ لکھتا ہے ہندو و مسلمان طلباء بغیر غور کئے انہی باتوں کو یاد کئے جارہے ہیں۔

2۔ ٹیگور کی تجویز تھی: مسلمان بچوں کیلئے اپنے مذہب کی پاک نصائح سے واقفیت اور اپنے وطن کی خدمت کیلئے مثال بننا بہت ضروری ہے۔ نیز مسلم شریعت اور اعلیٰ نمونے سے واقفیت ہندو بچوں کی تعلیم کا لازمی حصہ ہونا چاہئے۔

3۔ مزید لکھا: ہندو طلباء کی تدریسی کتب میں اس کے ہم وطن قریبی پڑوسی مسلمانوں کے بارہ میں کسی قسم کا ذکر نہ ہونا ناانصافی اور غیرمعقول بات ہے۔ بنگال میں ہندو و مسلمان پڑوسی ہیں۔ ایک دوسرے کے غم اور خوشی کے ساتھی ہیں۔ ان کو بچپن سے ایک دوسرے کے سارے معاملات کے بارہ میں علم ہونا چاہئے۔

ہندو مسلم اختلافات کا حل۔ باہمی اتحاد کیونکر ممکن ہے؟

ٹیگور لکھتا ہے کہ اس بات کو تسلیم کرنا چاہئے کہ ہمارے ملک میں مذہب کے معاملہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک شدید مخالفت پائی جاتی ہے۔ ہم کئی صدیاں ایک دوسرے کے قریب رہتے چلے آرہے ہیں، ایک ہی زمین کی فصل کھاتے ہیں ایک ہی دریا سے پانی پیتے ہیں ایک ہی سورج کی روشنی سے حصہ لیتے ہیں، ہماری زبان بھی مشترکہ ہے ایک ہی طرح غم اور خوشی میں ہماری پرورش ہوئی ہے۔ مگر پھر بھی انسانیت اور مذہب کے عین مطابق ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی سے جو تعلق ہونا چاہئے وہ ہمارے درمیان قائم نہیں ہوا ہے۔ ہمارے درمیان ایک لمبے عرصے سے ایک ایسی بدی موجود ہے جس کی وجہ سے ہم مل کے بھی مل نہیں پائے ہیں۔ اس بدی کو خدا تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔

مذہبی نفرت کے حوالہ سے ٹیگور کہتا ہے کہ ہم بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

کیا کیا جائے شریعت تو ماننی پڑے گی۔ جبکہ مَیں نے شریعت میں، "ہندو مسلمان کے معاملہ میں ایک دوسرے سے نفرت کرنی ہوگی"، ایسا کوئی حکم نہیں دیکھا ہے۔ اور اگر کسی شریعت کی یہ تعلیم ہے تو پھر اس شریعت کی اتباع میں آزاد ملک، آزاد قوم کا قیام کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ جس ملک کے مذہب کی تعلیم میں یہ داخل ہو کہ انسان سے نفرت کرنا، پڑوسی کے ہاتھ سے پانی پینے سے عقبیٰ کا برباد ہوجانا، خود کے مذہب کی حفاظت دوسرے کی ذلّت سے وابستہ ہونا۔ اس ملک کے باشندوں کی تقدیر یہی ہے کہ ہمیشہ دوسروں کے ہاتھوں ذلّت اٹھاتے رہیں۔

ایک جگہ ٹیگور نے لکھا: چاہئے کہ ہم یہ امر کبھی نہ بھولیں کہ بنگالی مسلمان اور بنگالی ہندوؤں میں خون کا رشتہ ہے۔

ٹیگور نے باہمی محبت پیدا کرنے کا حل یہ بتایا: ہمیں مختلف مواقع پر ایک دوسرے سے ملتے رہنا چاہئے۔ اگر ہم ایک ساتھ چلیں، ایک دوسرے کے قریب آئیں تو ہمیں سمجھ آئے گا کہ انسان کو انسان سمجھ کر اپنا مان لینا بہت آسان ہے۔

مسلمانوں کی ترقی اور خودمختاری

مسلمانوں کی خودمختاری کی تائید کرتے ہوئے ٹیگور کہتا ہے کہ: آج مسلمان ہمارے ملک میں خودمختار ہو کر ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سوچ ہم پر جتنی بھی گراں گزرے اور فی الحال اس سے ہمیں جتنی بھی تکلیف ہو، حقیقت میں یہی وہ طریق ہے جس سے ایک دن ہم آپس میں متحد ہو جائیں گے۔

ہندوستان اور اسلام کا باہمی تعلق

ٹیگور نے ہندوستان میں اسلام کے اثرات کے حوالہ سے لکھا کہ "مسلمان باہر سے جو علم اور روح ہندوستان میں لائے تھے، اسی علم اور روح نے ہندوستان کے قلب کو ہر سطح پر متاثر کیا تھا جس کا اظہار ہماری زبان، رسم، ادب، موسیقی اور کئی مختلف صورتوں میں ہو رہا ہے"۔

"ہمارا مسلمانوں کے ساتھ لباس، ادب اور دیگر معاملات میں اتنا گہرا تبادلہ ہوا ہے کہ ان معاملات میں کس کا کتنا حصہ ہے اس کا تعین کرنا بہت مشکل ہے"۔

"ہماری ہندوستانی موسیقی ہندو مسلمان میں مشترکہ ہے، اس میں ہر دو فریق کے ماہرین نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ جس طرح مسلمانوں کی حکومت میں ہندو مسلمان ہر دو فریق کو آزادی تھی۔...... اسلام کی آغوش میں ہماری موسیقی، ادب، لباس و تمدنی رسم و رواج فریقین کی مشارکت سے تیار ہوئے تھے۔ (جیسا کہ) اردو زبان کے قاعدہ کی بنیاد ہندوستانی ہے لیکن لغت عربی اور فارسی ہے۔ جدید ہندو موسیقی بھی اسی طرح ہے۔ دیگر صنعتی اور فنی کاریگری میں ہندوؤں اور مسلمان کاریگروں کی فنکاری اور کاریگری نظر آتی ہے۔ اچکن مسلمانوں کی اتباع نہیں ہے بلکہ وہ بھی اردو زبان کی طرح ہندو مسلمانوں کی مشترکہ پوشاک ہے"۔

ٹیگور کے ادب میں مسلمان کردار

ٹیگور کے ادب میں بہت زیادہ مسلم کردار نظر نہیں آتے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے قلم سے مسلمان معاشرہ پر کسی قسم کی تنقید مسلمانوں میں صرف نفرت کو ہوا دے گی اور اس سے ہندو مسلمان کے اتحاد میں رخنہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ ٹیگور نے اپنے ادب میں ہندو معاشرہ، مذہبی عقائد، رسم و رواج اور دیگر مسائل کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے تو دوسری طرف معاشرہ میں نیک نمونہ کے عَلَم کے طور پر بعض دفعہ مسلم کردار کا انتخاب کیا ہے۔ اسی طرح جہاں بھی ہندو مسلم معاشرہ کے حقوق یا اخلاق کا موازنہ کیا ہے وہاں اکثر اس نے اسلام اور مسلمان کردار کو ترجیح دی ہے۔ اس کی جھلک "دوراشا" یعنی جھوٹی امید، "کابلی والا"، "مسلمانیر گولپو" یعنی ایک خاتون کی قبول اسلام کی کہانی اور "گھورے بائرے"، یعنی گھر اور باہر وغیرہ میں ملتی ہے۔

ٹیگور کی تقریباً 150 سے زائد کہانیوں اور آٹھ سو کرداروں میں سے صرف دس کہانیوں میں 17 کردار مسلمان ہیں۔

بانی اسلام ﷺ اور بعض مسلم شخصیات ٹیگور کی نظر میں

☆ ٹیگور اپنی ایک تقریر میں کہتا ہے: اسلام دنیا کے دیگر عظیم مذاہب میں سے ایک مذہب ہے۔ اس لئے اس مذہب کے متبعین پر عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ انہیں اپنی زندگیوں میں اس مذہب کی عظمت کی فعلی شہادت دینی ہوگی۔ ہندوستان میں جتنے بھی مذاہب موجود ہیں اگر ان میں تہذیب اور آپس کی محبت و عزت کی روح کو فروغ دینا ہو تو اس مقصد کے لئے صرف ملکی مفاد کافی نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں اس تعلیم کو اپنانا ہوگا جو خدا کے محبوبین اور بنی نوع انسان کے ہمدردوں کے دلوں سے جاری ہوئی ہے۔ آج کے اس بابرکت جلسہ میں، مَیں مسلمان بھائیوں کے ساتھ اسلام کے عظیم رسول ﷺ کی خدمت میں اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بے چین ہندوستان کے لئے برکت اور فیض کا طلبگار ہوں۔

☆ یوم سیرۃ النبی ﷺ کے موقع پر ٹیگور نے اپنے پیغام میں کہا: مَیں اس دنیا میں پیدا ہونے والی عظیم ہستیوں سے میں ایک عظیم ہستی رسول پاک محمد ﷺ کی خدمت میں اپنی عقیدت پیش کرتا ہوں۔ آپؐ نے بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایک نئی جداگانہ شان رکھنے والی پُر اثر طرز زندگی کو پیش کیا ہے اور مذہب میں طہارت اور پاکیزگی کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔ میری یہ دلی دعا ہے کہ آپؐ کے متبعین اپنے عظیم مذہب کی صداقت کی دلیل اپنی طرزِ زندگی سے پیش کریں۔

☆ ٹیگور کی ایک عبارت کا مفہوم یوں ہے کہ نماز میں آنحضور ﷺ نے درود پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن آپؐ کی بعثت کا مقصد خدا تعالیٰ اور مذہب کی اشاعت، نیکی کا غلبہ اور بدی کا خاتمہ تھا۔ دیگر انسانوں کی طرح آپؐ بھی ایک بشر تھے اور خدا تعالیٰ کے چاکر تھے، اس حیرت انگیز کائنات کے ایک مسافر تھے۔ اگر کوئی شخص آپ کو خدا سمجھ کر آپؐ کی عبادت کرتا ہے، تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

....

ٹیگور نے بہت سے مسلمان مشاہیر کے بارہ میں عمدہ خیالات کا اظہار کیا ہے جن میں یروشلم کے مفتی، کمال اتاترک اور علامہ اقبال بھی شامل ہیں۔ اکبر بادشاہ کے حوالہ سے وہ ایک انگریز سیاح کا بیان کردہ واقعہ لکھتا ہے کہ:

اکبر کو اپنی والدہ سے بہت اُنس تھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ لاہور سے آگرہ جاتے ہوئے اکبر نے خود اپنے کاندھے پر اُن کی پالکی لے کر دریا پار کروایا تھا۔ صرف ایک موقع پر اکبر نے اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ جب اکبر کی والدہ نے اس اطلاع پر کہ پرتگیزی ملاحوں نے ایک مسلمان جہاز کو لوٹا ہے اور قرآن کریم کے نسخہ کی بے حرمتی کی ہے تو اُس نے غیرت میں آکر اکبر سے کہا کہ بائبل کا ایک نسخہ کسی گدھے کی گردن سے باندھ کر آگرہ شہر میں چھوڑ دیا جائے۔ جواباً

اکبر بولا کہ جو کام اُن کے لئے قابلِ مذمّت ہے تو پھر یقیناً ایک بادشاہ کے لئے زیادہ مذمّت کے لائق ہے۔

مذہب کے معانی اور تعلیمات کا خلاصہ

ٹیگور مذہب کو انسان کے لئے لازمی سمجھتا تھا کیونکہ یہ انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جب تک مغز کی سمجھ نہ ہو اس صورت میں مذہب ایک بوجھ سا معلوم ہوتا ہے۔

ٹیگور روحانی ابدی زندگی کے بارہ میں کہتا ہے کہ ہر انسان زندگی کا لطف اٹھانے کے لئے ہر ایک قسم کی قربانی اور تکلیف کو برداشت کر رہا ہے۔ گویا وہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔ موت زندگی کی انتہا نہیں بلکہ زندگی کا روحانی تسلسل ہے۔

ٹیگور مذہب کو خدا تعالیٰ کی عطا قرار دیتا ہے کیونکہ اس کو حاصل کرنے کے لئے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے، جیسے سورج کی روشنی خود ہم تک پہنچتی ہے اسی طرح مذہب کا معاملہ ہے۔ وہ حقیقی مذہب کو عین انسان کی استطاعت اور صلاحیت کے مطابق قرار دیتا ہے اور مذہب میں بظاہر نظر آنے والی پیچیدگیوں کی ذمہ داری وہ انسان پر ڈالتا ہے کیونکہ انسان خود مذہب کے تابع ہونے کی بجائے مذہب کو اپنے تابع کرنا چاہتا ہے اور اسی وجہ سے مذہب کی تخریب اور تحریف ہوتی ہے۔

اپنے مضمون ''محدود و لامحدود'' میں ٹیگور نے بہت ہی عمیق انداز میں اسلامی اصطلاح میں شریعت کی حدود کو بیان کیا ہے کہ کس طرح ان حدود میں رہتے ہوئے محدود انسان اس غیر محدود خدا کو پالیتا ہے۔

''تبلیغِ دین'' کے عنوان سے اپنے مضمون میں ٹیگور کہتا ہے کہ لوگ صرف تعداد میں اضافہ کے لئے، اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے یا پھر اپنے وہم میں اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کے لئے تبلیغ میں لگ جاتے ہیں جبکہ انہیں خود ہی اپنے مذہب سے صحیح معنوں میں واقفیت نہیں ہوتی۔

مضمون ''رسم کا بوجھ'' میں ٹیگور نے قرآن کریم کا ہی مضمون بیان کیا ہے کہ یہ نبی رسم و رواج کے بوجھ سے تمہاری گردنوں کو آزاد کرتا ہے۔ چنانچہ مختلف رسوم و بدعات کی مثالیں دے کر بیان کرتا ہے کہ گناہ کو مٹانے کے لئے کیسے کیسے غیر معقول اور حکمت سے خالی طریقے ایجاد کئے گئے ہیں۔

ایک مضمون میں ٹیگور نے حضرت بدھ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کی مثال دے کر بتایا ہے کہ مذہب کے راستہ میں دشواریاں آتی ہیں مگر وہاں انبیاء رُک نہیں جایا کرتے بلکہ آگے کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔

ایک مضمون میں ٹیگور اس دَور میں خصوصاً ہندوؤں کو باور کرواتا ہے کہ آجکل کی دنیاوی تعلیم اور سائنسی ترقی نے اُن کی مذہبی تعلیم اور دلائل پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔ ایسی صورتحال میں اہلِ مذہب کو اپنے مذہب کے نقائص کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ مذہب کی اس خستہ حالت کی وجہ دراصل بدعات اور رسومات ہیں۔

ذیل میں ٹیگور کی تحریرات میں سے بعض ایسے منتخب حصے پیش ہیں جو اسلامی تعلیم کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں:

خدا کی طرف سفر انسان کا فطری خاصہ ہے

☆ ٹیگور لکھتا ہے: چھوٹے دل کو اس عظیم دل سے ایک آواز آتی ہے۔ وہ آواز ایک لمحہ کے لئے بھی بند نہیں ہے۔ اس آواز کو سن کر ہمارا دل سفر پر گامزن ہے، بعض دفعہ اس کا احساس بھی ہمیں نہیں ہوتا۔......

☆ ایک دوسری جگہ ٹیگور نے لکھا: انسانی فطرت ہمیشہ ایک شئے کی جستجو میں ہے جو کہ اس سے بالا ہے۔ جبکہ اسی شئے میں اس کی گہری سچائی مضمر ہے۔ وہ شئے اس سے ہر قسم کی قربانی کا مطالبہ کرتی ہے اور یہی قربانی ثواب کا باعث بنتی ہے۔ یہی انسان کا مذہب اور دھرم ہے۔ انسان کی ذات تو صرف ایک کشتی کی حیثیت رکھتی ہے جس نے ان قربانیوں کو اس کے مقام تک پہنچانا ہے۔

☆ پھر لکھتا ہے: انسان کی فطرت میں محبت الٰہی، اقرار ربوبیت، اس کی جستجو اور اسی کی طرف واپسی اور اس کو پانے کا گُر ایک غیر مبدّل قانون کے طور پر نقش ہے۔

مذکورہ بالا تحریر میں ٹیگور نے قرآن کریم کے اس مضمون کو بیان کیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اُن کی جانوں پر گواہ ٹھہرایا (اور پوچھا) کیا میں تمہارا ربّ نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! ہم (اس بات کی) گواہی دیتے ہیں۔

☆ ٹیگور کہتا ہے: دنیا میں جو چیز تمام تفرقہ کو مٹا کر اتحاد پیدا کرتی ہے، ہر قسم کی بے چینی میں امن دیتی ہے اور جدائی کو وصال میں تبدیل کر دیتی ہے اسی کو مذہب کہا جا سکتا ہے۔...... مکمل انسانیت اسی کے زیرِ سایہ ہے۔ اسی کی جھلک انسانیت کے اعلیٰ و ادنیٰ ظاہر و باطن میں مشہود ہے۔ اس کے دائرہ سے باہر آنے کی صورت میں انسانیت سچائی سے دُور اور اس ابدی حسن سے گمراہ ہو جاتی ہے۔

☆ مذہب کے معانی ٹیگور نے یوں بیان کئے ہیں کہ ہر ایک شئے کی فطرتِ باطنی، مغز اور اس میں مضمر سچائی کو دھرم کہتے ہیں۔ دراصل یہ وہ حتمی مقصد ہے جو ہماری فطرت میں موجود ہے۔

نیز لکھتا ہے کہ لفظ دھرم کے بنیادی معانی کسی چیز کو پکڑ کر رکھنا ہیں۔

دراصل ٹیگور نے یہ مفہوم قرآنی تعلیم سے ہی لیا ہے جیسا کہ فرمایا: ''اور تم سب (کے سب) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور پراگندہ مت ہو''۔

☆ مذہب کا مقصد خدمتِ خلق ہے۔ اس حوالہ سے ٹیگور کہتا ہے: بھوکے کو اپنے حصہ کا کھانا کھلانا ہی انسان کا مذہب ہے، یہی اس کے سلوک کی تکمیل ہے۔

☆ مذہب کو اپنی سہولت کے مطابق ڈھالنے کے بارہ میں ٹیگور لکھتا ہے کہ: ہمارے ملک کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس عجیب قسم کے عقیدہ کو لوگ باور کر چکے ہیں کہ انسانی کمزوری کو مدِنظر رکھتے ہوئے مذہب کے معیار کو بھی کم کیا جا سکتا ہے۔ ہم بے باکی سے کہہ دیتے ہیں کہ جس شخص کی طاقت کم ہے اس کے لئے مذہب کو کاٹ کر چھوٹا کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو لازمی ہے۔ اگر مذہب کے لئے اخلاص ہوتا تو ایسی بات نہ کرتے۔

ایک دوسری جگہ کہتا ہے کہ: ہم کامل طور پر دین کے ماتحت چلنے کی بجائے دین کو اپنی مرضی کے موافق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلئے ہم مذہب کو روزمرہ کی ضروریات کی شئی سمجھ کر اپنے پیمانے کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ اس بارہ میں کوئی شک نہیں ہے کہ مذہب ہمارے لئے سب سے ضروری شئے ہے۔ مگر اسی وجہ سے اسے اپنے مطابق ڈھالنے کی کوشش میں اس کی عظمت کم ہو جاتی ہے۔ مذہب ملک زمانہ اور ظرف کی تنگ نظری سے بالا ہے، وہ غیر مبدّل ہے۔ اسی لئے تو ہمیں ہر زمانہ میں ہر حال میں اس کی اس قدر ضرورت ہے۔ وہ ہمارا ماضی ہے اسی لئے ہمیں

ہر زمانہ میں مختلف تبدیلیوں کے باوجود اس کی مسلسل تائید ونصرت حاصل رہی ہے۔

ٹیگور کہتا ہے کہ: مذہب کا تعلق اگر دل سے نہ ہوتو وہ صرف مذہبی قوانین اور ظاہر پرستی کو فروغ دیتا ہے۔اس صورتحال میں مذہب جس طرح فساد کی وجہ بن جاتا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

☆ مذہب کی غلط تفہیم کے بارہ میں ٹیگور لکھتا ہے: انبیاء دینی جماعت قائم کرتے ہیں اور ہم صرف جماعت کو اخذ کر لیتے ہیں دین کو نہیں۔لیکن الٰہی تقدیر میں دین کی ہدایت پانا ہماری ذاتی جدوجہد پر منحصر ہے، کسی اَور سے مانگ کر وہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔کیونکہ ہم کوئی بھی قیمتی شئے کسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر مانگ نہیں سکتے۔

☆ انسان کتنا خودمختار ہے اور کتنا مذہب کی پابندیوں میں جکڑا ہوا۔اس بارہ میں ٹیگور یوں بیان کرتا ہے کہ: انسان میں خودمختاری کی خصلت ہے اور یہ سچ ہے کہ اسی کے استعمال سے انسان میں تمیز کرنے کا علم ترقی کرتا ہے۔مگر کیا مذہب خود، اس خودمختاری کے ساتھ صلح کر کے ایک ہی کرسی پر بیٹھ جائے۔مذہب کیا اپنے عرش پر جلوہ افروز ہو کر اس کے خلاف اعلان جنگ نہیں کریگا؟۔

ٹیگور کی مذکورہ بالا تحریرات میں مذہب میں تحریف، انسان کی مذہبی تعلیم میں دست اندازی اور اس تعلیم کی غلط تفہیم وغیرہ کا بیان ہے، نیز یہ کہ انسان اپنی عقل اور مذہب کو اپنی خواہش کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔

یہی مضمون قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے متعلق تحریف اور اتباع نفس کے حوالہ سے مختلف مواقع پر بیان کیا گیا ہے۔مثلاً فرمایا: پھر ان کے بعد ایک ایسی نسل آئی جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے۔پس وہ عنقریب گمراہی کے مقام تک پہنچ جائیں گے۔

اسی طرح فرمایا: اور ان کے اپنا پختہ عہد توڑنے کے سبب سے ہم نے ان پر لعنت کی تھی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا تھا۔چنانچہ وہ (کتاب کے) الفاظ کو ان کی جگہوں سے ادل بدل دیتے ہیں اور جس بات کی انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک حصہ بھلا بیٹھے ہیں۔

پھر فرمایا: تُو کہہ دے (کہ) اے اہل کتاب! اپنے دین کے متعلق ناجائز (طور پر) حد سے زیادہ غلو سے کام نہ لو۔اور ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے (خود بھی) گمراہ ہو چکے ہیں اور (اور) بہتوں کو (بھی) انہوں نے گمراہ کیا ہے اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔

عقل کو دین پہ حاکم نہ بناؤ ہرگز
یہ تو خود اندھی ہے گر نیر الہام نہ ہو

☆ پل صراط کے حوالہ سے ٹیگور کا کہنا ہے: مذہب کو قید اور غم کی شکل میں قبول کیا گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ مذہب کا راستہ تیز چھری کی طرح خطرناک ہے۔اگر یہ راستہ وسیع اور آسان ہوتا تو پھر تمام بنی نوع انسان کسی بھی طرح اس پر سے گزر رہی جاتے، کسی کے لئے روک اور مشکل نہ ہوتی۔مگر یہ راستہ معین قانون کی قید میں مقید ہونے کی وجہ سے مشکل ہے۔انسان کو ان حدود کے اندر رہنے کیلئے اس سے وابستہ دکھ کو قبول کرنا ہی ہوگا۔کیونکہ اس دکھ کے ذریعہ دراصل خوشی کا اظہار ہو رہا ہے۔

اسلامی تعلیم بھی یہ ہے کہ مذہبی دنیا میں مومنین کی جماعت کو مشکل راہ سے گزر کر ہی ترقی حاصل ہوتی ہے۔ایک مومن کو پل صراط سے گزرنا ہی پڑتا ہے اور یہ راہ بہت ہی مشکل ہے سوائے فضلِ خدا کے اس میں کامیابی نہیں ملتی۔اس ابدی خوشی کے حصول کے لئے وقتی تکالیف کو برداشت کرنا ایک ابدی قانون ہے۔اور اسی ابدی قانون کو یاد دلاتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے کہ:

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اس کے کہ ابھی تم پر ان لوگوں کی (سی تکلیف کی) حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے گزرے ہیں تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ انہیں تنگی (بھی) پہنچی اور تکلیف (بھی) اور انہیں خوف دلایا گیا تاکہ (اس وقت کا) رسول اور اس کے ساتھ (کے) ایمان والے کہہ اٹھیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔یاد رکھو اللہ کی مدد یقیناً قریب ہے۔

☆ تبلیغ دین کے حوالہ سے ٹیگور کہتا ہے: یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ مذہب کی اشاعت کے معاملہ میں مذہب پہلے آتا ہے اور اشاعت بعد میں۔ 'اشاعت کرنے سے ہی مذہب کا وجود قائم رہے گا' یہ ایسی بات نہیں ہے۔بلکہ مذہب کو قائم رکھنے سے خود اسکی اشاعت ہوگی۔

نیز کہتا ہے: جو لوگ مذہب کے کامل فہم و ادراک کے بغیر ہی تبلیغ کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں ایسے لوگ دراصل درجہ بدرجہ مذہب کو اپنی زندگی سے دُور ہٹا دیتے ہیں۔ایسے لوگ مذہب کو ایک محدود دائرے میں قید کر دیتے ہیں۔پھر مذہب صرف خاص خاص دن خاص مقام اور خاص رسم کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ان چیزوں میں ذرّہ بھر فرق آنے سے قوم میں شور پڑ جاتا ہے۔دنیا دار اپنی زمین کی منڈھیر کی اس قدر احتیاط کے ساتھ حفاظت میں نہیں لگا ہوتا جس قدر مذہب کے ٹھیکے دار پُر جوش انداز میں خود ساختہ منڈھیر کی حفاظت میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔اور اس منڈھیر کی حفاظت کو ہی دراصل وہ مذہب کی حفاظت خیال کرتے ہیں۔

☆ انجام کار دین کے غلبہ کے حوالہ سے ٹیگور کہتا ہے: مفاد پرستی کی فطرت کی وجہ سے مذہب وجود میں نہیں آیا بلکہ مذہبی قانون نے ہی ہماری مفاد پرستی اور لالچ پر حد لگانے کی کوشش کی ہے۔اس لئے اگرچہ ہم بیرونی معاملات میں کمزور ہو گئے ہیں اور اسی وجہ سے دشمنوں سے ہمیں شکست ہوئی ہے۔لیکن اس کے باوجود اگر ہم نے دین کی روح کو ذاتی مفاد پر ترجیح دے کر اس کے غلبہ کے لئے اعزاز حاصل کیا ہے تو وہ کبھی ضائع نہیں ہو سکتا۔اس کے غلبہ کا بھی دن آئے گا۔

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ: اللہ نے فیصلہ کر چھوڑا ہے کہ مَیں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔

☆ بُت پرستی کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار ٹیگور اس طرح کرتا ہے:

''عبادت جیسے ٹیکس دینے کی طرح ہے۔پس اگر بادشاہ کو براہ راست دیا جائے یا تحصیل دار کے ہاتھ میں دیں آخر کار بادشاہ کے خزانہ میں ہی جمع ہوگا۔''

☆ ٹیگور ایک خدا کو ماننے والا تھا اور بت پرستی کے خلاف تھا۔وہ تعلیم یافتہ افراد کی طرف سے بُت پرستی کی حمایت میں اس قول کو بھی غلط قرار دیتا ہے کہ بُت کی حقیقت یہ ہے کہ خیالات کو مرکوز کرنا۔

☆ آنحضرت ﷺ کے عملی نمونہ کا ذکر کرتے ہوئے ٹیگور کہتا ہے:

''ایسا نہیں ہوا کہ عرب کے مشرکوں نے (حضرت) محمد (ﷺ) کے ظہور کے وقت اُن کی توحید کے پیغام کو آسانی سے قبول کر لیا تھا۔مگر ایسا بھی نہیں ہوا کہ

آپؑ نے انہیں یہ فرمایا کہ تمہارے لئے جو آسان ہو وہی تمہارا مذہب ہے۔ تم اپنے آباؤاجداد کے زمانہ سے جسے مان رہے ہو وہی تمہارے لئے سچائی ہے۔ آپؑ نے ایسی عجیب بات پیش نہیں کی کہ جس چیز پر دس افراد ایمان رکھتے ہیں وہی سچ ہے یا جس چیز کی دس افراد اتباع کرتے ہیں وہی مذہب ہے۔ اگر آپؑ ایسا فرماتے تو وقتی بلا ٹل جاتی مگر ہمیشہ کے لئے خطرہ بڑھ جاتا"۔

☆ مذہب کی نئے دَور سے مطابقت کا ذکر ٹیگور یوں کرتا ہے کہ: "اس جدید دَور میں پرانے مذاہب کے ساتھ نئی سوچ کا اختلاف بہت زوروں پر ہے۔ لہٰذا نئی سوچ اس دَور میں ایک ایسے مذہب کا مطالبہ کر رہی ہے جو کسی خاص قوم اور زمانہ سے مختص نہ ہو۔ جس مذہب کو چند ظاہری پوجا کے قوانین میں کسی خاص شکل میں مقید نہ کیا گیا ہو، انسانی قلب جس جس سمت میں وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے وہ مذہب اس پہ قید نہ لگائے بلکہ ہر سمت سے اسے اس عظیم ہستی کی طرف رہنمائی کرے۔"

ایک اور جگہ لکھتا ہے: "آج ہمیں لڑنا ہوگا سچائی کا لبادہ اوڑھے ہوئے سخت جھوٹ کے خلاف، مذہب کے لقب سے ملقب قدیم شیطان کے خلاف۔ اس لئے ہماری فطری طاقت مکمل قویٰ کے ساتھ بیدار ہو جائے۔ آج تکلیف کا دن آ گیا کیونکہ آج شعور کے بیدار ہونے کا دن ہے۔ اس لئے آج کاہل کی طرح مایوس ہونے سے کام نہیں ہوگا۔ آج قربانی کا دن آیا ہے کیونکہ آج چلنے کا دن ہے، آج صرف ماضی کی طرف نظر کئے ہوئے بیٹھے رہنے سے دن ڈھل جائے گا، آج بخیل کی طرح محدود توشہ کو سینے سے لگائے رکھنے سے عظمت کا حق کھونا پڑے گا۔ اے خوفزدہ! اگر آج تُو نے خدا ترسی کی جگہ انسان کی لعنت کو ترجیح دی تو پھر یہ سعادت کی گھڑی تیرے لئے بدبختی کی گھڑی ثابت ہوگی۔

آج ذلّت قابل قبول ہے، آج مذمّت قابل شوق ہے۔ آج بہت کچھ کھونے، ٹوٹنے اور گنوانے اور لُوٹے جانے اور برباد ہونے کا دن ہے۔ یقیناً یہی سوچا تھا کہ جس طرف حجاب ہے ادھر سے ہی روشنی پھوٹے گی، یقیناً یہی تو سوچا تھا کہ جس سمت دیوار ہے اسی سمت سے راستہ نکل آئے گا۔"

☆ ٹیگور خدا تعالیٰ کی حمد کرنے کے بعد انسان کو کیا مشورہ دیتا ہے! ملاحظہ کریں:

"اے بے شمار قوتوں کے مالک!
ہمارا حساب تیرے حساب سے مختلف ہے،
تُو معذور کو طاقت عطا فرماتا ہے، تُو بیکار کو کارگر بنا دیتا ہے،
تُو ناممکن کو ممکن میں بدلتا ہے،
اور تُو جب غمگین کو مسرور کرتا ہے تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ تُو اس کے سامنے کیسی کیسی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔
ان باتوں کو اٹل جانتے ہوئے خدا تعالیٰ کی خاطر انسانیت کی فتح کے اس سفر میں ہمارا جو کچھ ہے وہ سب کچھ پیش کر کے بے خوف شامل ہو جائیں۔
اے دنیا کے مالک اور انسان کی تقدیر بنانے والے تیری فتح، فتح، فتح ہو۔"

☆ ٹیگور کی تحریروں سے بعض جگہ موعود اقوام عالم کی آمد کا اشارہ بھی ہوتا ہے۔ ایک جگہ لکھتا ہے:

آؤ آرین! اور غیر قوم، آؤ ہندو مسلمان!
آؤ آج انگریز ادھر، اور آؤ کرسٹیان!
آؤ برہمن! صاف کئے من
یکجہتی کے رنگ میں
آؤ مظلوم معاف کئے ظلم
بھلا کر سب صدمے
آغاز میں ہی دوڑ کر آؤ
برکت کا پیالا بھر کر جاؤ
سب کو پاک اک لمس سے کرے یہ ہے وہ ستھان
آج بھارت کے دریا کے کنارہ آیا ہے وہ انسان!

ہم دیکھتے ہیں کہ ٹیگور کی تحریرات سے ظاہر ہے کہ وہ خود اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ اِس دَور میں بعض مذاہب میں عقل اور مذہب کے درمیان ایک نمایاں فرق نظر آنے لگا ہے اور اب ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو اپنے اندر عالمی نوعیت رکھتا ہو۔ نیز ٹیگور یہ بھی محسوس کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ دنیا کسی ایک مذہب کے جھنڈے تلے متّحد ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے تمام بنی نوع انسان کو متحد ہو کر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ نیز اپنے انداز میں دعا بھی کرتا ہے کہ وہ دن آئے اور صبح صادق طلوع ہو۔ اور اس عظیم مقصد کے لئے جو قربانی پیش کرنے کی ضرورت ہے اس کا ذکر بھی ٹیگور نے کیا ہے۔ گویا ٹیگور کی فطرت نے عین وقت پر زمانہ کی ضرورت کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی (مذکورہ بالا) نظم میں ہندوستان کی سرزمین میں موعود اقوام عالم کی طرف مختلف اقوام کو آنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔ یہ وہی نقشہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے یوں فرمایا تھا کہ:

هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔

(ترجمہ: وہ خدا ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ خواہ مُشرک کتنا ہی ناپسند کریں)۔

اس پس منظر میں آج سوائے ایک وجود کے دنیا کے نقشہ پر اور کوئی شخص ہمیں نظر نہیں آتا جو تمام بنی نوع انسان سے مخاطب ہو کر یہ خوشخبری دے کہ:

قوم کے لوگو ادھر آؤ کہ نکلا آفتاب
وادیٔ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار

مذہب اسلام کی ترقی اور فتح کی خوشخبری دیتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

"زمین کے لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ شاید انجام کار عیسائی مذہب دنیا میں پھیل جائے یا بدھ مذہب تمام دنیا پر حاوی ہو جائے مگر وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ یاد رہے کہ زمین پر کوئی بات ظہور میں نہیں آتی جب تک وہ بات آسمان پر قرار نہ پائے۔ سو آسمان کا خدا مجھے بتلاتا ہے کہ آخر کار اسلام کا مذہب دلوں کو فتح کرے گا"۔

(باقی آئندہ)